مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلہ

انصار الدین

جلد ۱۸ نمبر ۲

مارچ و اپریل ۲۰۲۱ء امان.شہادت ۱۴۰۰ء ہجری شمسی رجب/شعبان/رمضان ۱۴۴۲ ہجری قمری



”میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا“

الہام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی، مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام



MAJLIS ANSARULLAH
UNITED KINGDOM



MASROOR
EYE INSTITUTE

Huzoor e Aqdas (May Allah be his helper) has graciously given us the responsibility to construct and operate the Masroor Eye Institute in Burkina Faso, West Africa. This will, inshaAllah, be a state-of-the-art teaching eye hospital which is being built at this time with planned completion and opening in 2020. The cost of this project will be over 1 million pounds. Once complete this 'sadqa jaria' will benefit the whole of West Africa, providing premium eye treatments to thousands of patients every year. If you donate £10,000 or more, you will inshaAllah be invited to the inauguration ceremony. Donations of £5,000 or more will inshaAllah be acknowledged in the hospital.

MASROOR EYE INSTITUTE

ANY DONATION WELCOME

mei2020.org

PROJECTS

Supported by Majlis Ansarullah United Kingdom

Millions of people, including children, are suffering with an eye disease called "Cataract". They are at the risk of blindness if not treated in time.

Please donate wholeheartedly on behalf of yourself, your loved ones and for relatives who have passed away to partake from ongoing blessings of this 'sadqa jaria'.

GIFT OF SIGHT

For as little as £50 an operation, you can give the GIFT of SIGHT

FUNDING FOR FACILITIES

Members can request to fund specific facilities within the Institute. Please contact us on 020 8874 6630 for further details.

2 OPERATING THEATRES | 8 BED WARD | 250 SEAT AUDITORIUM | 6 CONSULTATION ROOMS | 6 PRIVATE ROOMS

SCAN HERE TO DONATE NOW



Payable to:

CHARITY WALK FOR PEACE
NatWest Bank
Account# 35190698 | SC 60-20-09
Online: **donation.charitywalkforpeace.org**



a gift of sight

GIVE SOMEONE A GIFT OF SIGHT

There are many visually impaired people around the world, but in low income countries, this exacerbates the effects of poverty.

DONATING IS SUPER EASY

You can donate via our online donation portal at **HTTPS://CHARITYWALKFORPEACE.ORG/MEI**



SCAN & DONATE





HTTPS://WWW.JUSTGIVING.COM/CAMPAIGN/MEI

For as little as £50 an operation, you can give someone's back their sight.

DON'T DELAY – PLEASE DONATE TODAY!

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ
مارچ و اپریل 2021ء

انصارالدین

جلد 18 نمبر 2

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: نعیم گلزار
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، میر انجم پرویز
ڈیزائننگ: عامر ملک

Ansaruddin
33 Gressenhall Road,
SW18 5QH London
United Kingdom
E: ansaruddin@ansarullahuk.org



درس القرآن

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ۔ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ؕ۔ ذٰلِکَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ ۫ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ۔ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ۔ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ۔ (سورۃ الروم:38تا41)

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے۔ یقیناً اس میں ایمان لانے والی قوم کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔ پس اپنے قریبی کو اس کا حق دو، نیز مسکین کو اور مسافر کو۔ یہ بات ان لوگوں کے لئے اچھی ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں اور جو تم سُود کے طور پر دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں مل کر وہ بڑھنے لگے۔ اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا اور اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تم جو کچھ زکوٰۃ دیتے ہو تو یہی ہیں وہ لوگ جو اسے بڑھانے والے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق عطا کیا۔ پھر وہ تمہیں مارے گا اور وہی تمہیں پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ہے جو ان باتوں میں سے کچھ کرتا ہو۔ وہ بہت پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

ان میں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رزّاق ہونے کا اعلان فرمایا ہے کہ رزق میں کشائش وہ عطا فرماتا ہے اور تنگی بھی۔ کسی کا اگر رزق تنگ کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ رزق کو دیتا بھی وہی ہے اور رزق کو روکتا بھی وہی ہے۔ فرمایا کہ حقیقی مومن کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزّاق بہت نشان دکھاتی ہے اگر اس کا ایمان پختہ ہو۔ آج کل جو دنیا کے معاشی حالات ہیں، جس معاشی بحران سے دنیا ہمیں گزرتی نظر آرہی ہے، جس سے امیر ملک بھی متاثر ہیں اور غریب ممالک بھی۔ صنعتی ممالک بھی متاثر ہیں اور زراعت پر انحصار رکھنے والے ممالک بھی۔ اور وہ بھی جو سمجھتے ہیں کہ تکنیکی مہارت ہمارے پاس اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ دنیا کو ہماری خدمات کی ہر حالت میں ضرورت ہے کیونکہ آج کے اس سائنسی دور میں اور اس جدید دور میں ان خدمات کی بہت اہمیت ہے۔ بعض بڑی طاقتیں یہ سمجھ بیٹھی تھیں کہ ہماری معیشت اتنی زیادہ مضبوط ہوگئی ہے کہ اب ہم جلد ہی تمام دنیا کو اپنے زیرنگیں کرلیں گے گو کہ بہت سارے ملکوں کو وہ پہلے ہی Dictate کرواتے ہیں لیکن تمام دنیا پر اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ اُن کے خیال میں سائنس میں ہم اس حد تک ترقی کر چکے ہیں کہ اب ہمارا سائنس کے میدان میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وسیع رقبہ اور مختلف موسموں کی وجہ سے خوراک میں ہم خودکفیل ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں کھانے پینے کی اشیاء کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہی۔ طبّی میدان میں ہم نے وہ ترقیات حاصل کرلی ہیں کہ اب دنیا ہی ہے جو ہم سے سب کچھ اس میدان میں سیکھے گی۔ ہتھیاروں کی دوڑ میں ہم سب دنیا سے آگے نکل چکے ہیں۔ اب دنیا ہمارے تجربات سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ زمین کی تسخیر کے ساتھ ساتھ ان کے خیال میں آسمانوں پر بھی ہم نے کمندیں ڈال لی ہیں اس لئے اب ہر طرح سے اس دنیا پر ہمارا قبضہ ہوسکتا ہے اور ضروری ہے کہ اب دنیا ہماری برتری تسلیم کرے اور خود بخود اپنے آپ کو ہماری جھولی میں گرادے۔ پھر بعض طاقتوں نے یہ سمجھا کہ ہمارے پاس معیشت کو کنٹرول کرنے کی جو طاقت ہے دنیا مجبور ہو کے ہم پر انحصار کرے اور اپنی مضبوط معیشت اور بعض میدانوں میں تکنیکی مہارت کے زعم میں ان لوگوں نے ایسی Planning کی کہ بہت ساری اپنی صنعت ختم کردی اور زراعت بھی برائے نام رہ گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معیشت کی تیزی سے گرتی ہوئی حالت اور جو اُن کے پاس پہلے تھی، صنعت اور زراعت ان چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی معیشت بڑی تیزی سے گرنے لگی۔ تو یہ سب کچھ جو دنیا میں معاشی بحران کی صورت میں ہمیں نظر آرہا ہے اس کی اصل وجہ کی طرف اب بھی ان لوگوں کی سوچیں نہیں جارہیں اور وہ ہے سب قدرتوں کے مالک اور رازق خدا کو حقیقی طور پر نہ ماننا۔ یا ماننے کا حق ادا نہ کرنا، یہ بھی نہ ماننا ہی ہے۔ یہ طاقتیں یا ملک جو معاشی لحاظ سے مضبوط ہیں یا کچھ عرصہ پہلے تک مضبوط تھے اس طرف کم توجہ دیتے ہیں کہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا کا اپنا بھی ایک قانون چل رہا ہے۔ جب ارضی وسماوی آفات، زلزلوں اور سمندری طوفانوں یا Hurricans وغیرہ کی صورت میں یہ آفات آتی ہیں تو ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہر چیز تلپٹ ہوجاتی ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی غیر فطری طور پر جب معیشت کو چلایا گیا تو اس کے نتائج بھی سامنے آگئے۔ ایک تو خدا کو بھولنے کی وجہ سے جو زمینی وآسمانی آفات تھیں، انہوں نے اپنے اثرات دکھائے۔ دوسرے معیشت کے لحاظ سے بھی جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کام کئے گئے تو اس نے اپنا اثر دکھایا اور اس کے لئے اب جو حل سوچے جارہے ہیں وہ بھی کوئی ایسے دیرپا نہیں ہیں۔ اصل حقیقت تک نہیں پہنچ رہے۔

پس یہ سب باتیں جب ہم دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا ایمان مزید بڑھتا ہے۔ اس وقت ہم احمدیوں کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کو اس بات سے ہوشیار کریں کہ ان سب آفتوں اور بحرانوں کی اصل وجہ خدا تعالیٰ سے دُوری ہے۔ بندوں کے حقوق ادا کرنے کی طرف عدم توجہی ہے۔ دوسروں کے وسائل پر حریصانہ نظر رکھنا ہے۔ پس اگر مستقل حل چاہتے ہیں تو ان چیزوں کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبہ جمعہ فرمودہ 31/اکتوبر 2008ء سے انتخاب)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم



حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت اُمّ المومنین میمونہؓ کے پاس گزاری۔ جب آدھی رات گزر گئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس سے کچھ بعد۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے۔ سورۃ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، پھر وضو کیا اور نماز تہجد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز تہجد ادا کی۔ رسول اللہؐ نے دو دو رکعتیں کر کے نماز تہجد پڑھی اور آخر میں وتر پڑھے۔ پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ (بخاری کتاب الصلوۃ باب العمل فی الصلوۃ)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ سخت گرمی کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ گرمی کی شدت اس قدر ہوتی کہ زمین پر پیشانی لگانا مشکل ہو جاتا تو بعض صحابہؓ کپڑا اچھا کر اس پر سجدہ کرتے۔ (بخاری کتاب الصلوۃ باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر)

بخاری شریف میں یہ حدیث درج ہے کہ صحابہؓ اذان دینے کے لئے مسابقت کرتے۔ کوئی کہتا میں اذان دوں گا اور دوسرا کہتا میں اذان دوں گا۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان میں قرعہ ڈالا۔ (بخاری کتاب الاذان۔ باب الاستھام فی الاذان)

بعض صحابہؓ کا یہ طریق تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد پھر اپنی قوم کے پاس واپس جاتے اور انہیں نماز پڑھاتے۔ چنانچہ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر جا کر اپنی قوم میں امامت کرتے اور وہی نماز ان کو پڑھاتے۔ (بخاری کتاب الاذان باب ماطوّل الامام)

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عورتیں بھی اپنے ربّ کی عبادت بجالانے کے شوق میں مساجد میں جایا کرتی تھیں کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد مبارک تھا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔ (بخاری کتاب الجمعہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز میں کئی مسلمان عورتیں بھی چادروں میں لپٹی ہوئی نماز ادا کرتیں۔ پھر (نماز کے بعد) اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں، (اندھیرے کی وجہ سے) کوئی انہیں نہ پہچانتا۔ (بخاری کتاب الصلوۃ باب کم تصلی المرأۃ من الثیاب)

بعض صحابہؓ نے غسل کے لئے اپنے گھروں میں حوض بنا رکھے تھے۔ جیسے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک حوض بنایا ہوا تھا اور روزے کی حالت میں اُس میں نہا لیا کرتا تھا۔ یعنی ویسے تو غسل کرتا ہی تھا مگر روزے کی حالت میں بھی غسل کر لیتا تھا۔ (بخاری کتاب الصوم باب اغتسال الصائم)

یہ انتہائی بیہودہ بات ہے کہ انسان جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کرے کیونکہ اس سے چھینٹے اُڑتے ہیں اور کپڑوں کو خراب کر دیتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا انتہائی جہالت ہے (سوائے اس کے کہ انسان بیمار ہو اور بیٹھ نہ سکتا ہو)۔ (ترمذی کتاب الطہارۃ)

صحابہؓ اس ارشاد نبویؐ کے مطابق بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ (ترمذی کتاب الطہارۃ باب النھی عن البول قائما)

حضرت ابوموسیٰؓ پاکیزگی کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ پیشاب بھی زمین کی بجائے بوتل میں کیا کرتے اور کہا کرتے کہ جب بنی اسرائیل میں سے کسی کی جلد پر پیشاب لگ جاتا تو وہ قینچیوں سے اُسے کاٹ دیتا۔ (مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین)

صحابہؓ کو پاکیزگی کا اتنا خیال تھا کہ ایک دفعہ جب پانی نہ ملا اور نماز کا وقت جا رہا تھا تو حضرت عمار بن یاسرؓ نے مٹی میں (جانور کی طرح) لوٹ کر اپنے آپ کو پاک کیا اور نماز ادا کی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کو صرف اس طرح کافی تھا اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان پر پھونکا اور اپنے منہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔ (بخاری کتاب التیمم باب: تیمم ھل ینفخ فیھا)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص سو کر اٹھے تو جب تک تین بار ہاتھ نہ دھولے اس کو پانی کے برتن میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ کیونکہ معلوم نہیں سوتے وقت اس کا ہاتھ کہاں کہاں پڑا ہے۔ (ترمذی کتاب الطہارۃ باب اذا استیقظ احدکم حدیث نمبر 24)

امام الکلام ۔ کلام الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سچی تبدیلی اور دل کی پاکیزگی کی طاقت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

’’جسمانی علوم پر نازاں ہونا حماقت ہے۔ چاہیے کہ تمہاری طاقت روح کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے سائنس یا فلسفہ یا منطق پڑھایا اور اُن سے مدد دی بلکہ یہ کہ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلۃ 23) یعنی اپنی روح سے مدد دی۔ صحابہؓ اُمّی تھے۔ ان کا نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اُمّی۔ مگر جو پُر حکمت باتیں انہوں نے بیان کیں وہ بڑے بڑے علماء کو نہیں سوجھیں۔ کیونکہ ان کو خدا تعالیٰ کی خاص تائید تھی۔ تقویٰ وطہارت و پاکیزگی سے اندرونی طور سے مدد ملتی ہے۔ یہ جسمانی علوم کے ہتھیار کمزور ہیں۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مخالف کے پاس ان سے بھی زیادہ تیز ہتھیار ہوں۔ پس ہتھیار وہ چاہیے جس کا مقابلہ دشمن نہ کر سکے۔ وہ ہتھیار سچی تبدیلی اور دل کا تقدس وتطہّر ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 628)

سودی روپیہ اور ذاتی تصرف

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

’’سود کا روپیہ ذاتی تصرف کے واسطے ناجائز ہے۔ لیکن خدا کے واسطے کوئی شے حرام نہیں۔ خدا کے کام میں جو مال خرچ کیا جائے وہ حرام نہیں ہے۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ گولی بارود کا چلانا کیسا ہی ناجائز اور گناہ ہو لیکن جو شخص اسے ایک جانی دشمن پر مقابلہ کے واسطے نہیں چلاتا وہ قریب ہے کہ خود ہلاک ہو جائے۔ کیا خدا نے نہیں فرمایا کہ تین دن کے بھوکے کے واسطے سؤر بھی حرام نہیں بلکہ حلال ہے۔ پس سود کا مال اگر ہم خدا کے لئے لگائیں تو پھر کیوں کر گناہ ہو سکتا ہے۔ اس میں مخلوق کا حصہ نہیں لیکن اعلاء کلمہ اسلام میں اور مسلمان کی جان بچانے کے لئے اس کا خرچ کرنا ہم اطمینان اور ثلج قلب سے کہتے ہیں کہ یہ بھی فلا اثم علیہ میں داخل ہے۔ یہ ایک استثناء ہے۔ اشاعت اسلام کے واسطے ہزاروں حاجتیں ایسی پڑتی ہیں جن میں مال کی ضرورت ہے۔‘‘

(تفسیر حضرت مسیح موعود جلد 1 صفحہ 770)

سودی قرضہ سے بچنے کا ایک راز

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ بعض مجبوریاں ایسی ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے سودی قرضے لینے پڑ جاتے ہیں تو ہم اس پر کیا کریں؟ اس پر آپؑ نے فرمایا کہ

’’جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے، خدا تعالیٰ اس کا کوئی سبب پردۂ غیب سے بنا دیتا ہے۔ افسوس کہ لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے کہ متقی کے لیے خدا تعالیٰ کبھی ایسا موقع نہیں بناتا کہ وہ سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ یاد رکھو جیسے اور گناہ ہیں مثلاً زنا، چوری ایسے ہی یہ سُود دینا اور لینا ہے۔ کس قدر نقصان دِہ یہ بات ہے کہ مال بھی گیا، حیثیت بھی گئی اور ایمان بھی گیا۔ معمولی زندگی میں ایسا کوئی امر ہی نہیں کہ جس پر اتنا خرچ ہو جو انسان سودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ مثلاً نکاح ہے اس میں کوئی خرچ نہیں۔ طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنت ہے۔ سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے۔ انسان اگر کفایت شعاری سے کام لے تو اس کا کوئی بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ اپنی نفسانی خواہشوں اور عارضی خوشیوں کے لیے خدا تعالیٰ کو ناراض کر لیتے ہیں‘‘۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 434)

فرمودات

حضرت خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس انصاراللہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع 2006ء سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''انصاراللہ کے الفاظ پر غور کریں، اس عہد پر غور کریں جو آپ اپنے اجلاسوں اور اجتماعوں میں پڑھتے ہیں۔ آج آپ سے تلوار چلانے کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا، جنگ میں اپنے آپ کو جھونکنے کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا، توپوں اور گولوں کے سامنے کھڑے ہونے کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا۔ مطالبہ ہے تو یہ ہے کہ اللہ کے حقوق ادا کرو، اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرو۔ اپنی عبادتوں کے وہ نمونے قائم کرو جو خدام کیلئے بھی مثال بن جائیں اور اطفال کیلئے بھی مثال بن جائیں، وہ تمہاری بیویوں کیلئے بھی مثال بن جائیں اور تمہاری بچیوں کیلئے بھی مثال بن جائیں۔ تمہاری مالی قربانیاں بھی ایسی ہوں جن کے نمونے سے دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں۔

......عموماً اچھی کمائی کا وقت اور بہتر آمد کا وقت 40 سال سے 60 سال تک کی عمر کا ہوتا ہے۔ اپنے وعدوں کو دیکھیں، اپنے عہدوں کو دیکھیں، اپنے اس عہد کو دیکھیں اور پھر اپنی قربانی کے معیاروں کو دیکھیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو تم اپنے پر خرچ کر لیتے ہو یا اللہ کی راہ میں جو تم نے خرچ کر دیا وہی بچا ہے، جو تم بچا کر چلے گئے ہو وہ تمہارے کسی کام کا نہیں، وہ تمہارا نہیں۔ لیکن اپنے پر خرچ کرنے کی بھی حدیں مقرر ہیں کہ اعتدال سے خرچ کرو، جائز خرچ کرو...... آپ لوگوں کی اکثریت جو اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہے وہیں (پاکستان) سے آئی ہوئی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جب آپ وہاں ہوتے ہیں تو باوجود خراب حالات ہونے کے قربانیاں کرتے ہیں، یہاں آتے ہیں تو دوسری ضروریات کا خیال آ جاتا ہے؟ پس اس طرف توجہ دیں۔ آج اس وقت اس دور میں آپ یہاں جو معیار قائم کریں گے وہی اس جماعت کی مثال بن جائے گی۔ جتنے بلند معیاروں تک آپ آئندہ نسلوں کو لے جانا چاہتے ہیں انہیں بلند معیاروں کو آپ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ٹارگٹ مقرر کرنے ہوں گے۔ پس آئندہ نسلوں کو ان قربانیوں کی طرف توجہ دلانے کیلئے بھی آپ کو اپنی قربانیوں کے معیار بڑھانے ہوں گے۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ تحریک جدید میں شمولیت میں بھی بہت گنجائش ہے۔ اس طرف بھی بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ بعض جماعتوں میں نصف سے بھی زائد ایسے لوگ ہیں جو تحریک جدید میں شامل نہیں ہوئے۔ شاید اسی طرح وقف جدید میں بھی ہو تو انصار یہ ذمہ داری اب لیں کہ تعداد کو بڑھانے میں آپ نے اپنا ایک کردار ادا کرنا ہے۔ پہلے انصاراللہ اپنا جائزہ لیں کہ وہ سو فیصدی تحریکات میں شامل ہیں۔ پھر اپنے بیوی بچوں کو شامل کرنے کی کوشش کریں۔

جب ان قربانیوں کی طرف توجہ ہو گی تو پھر نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کا نعرہ لگانے کے بعد آپ کا ایک بہت بڑا کام جیسا کہ آپ کے عہد میں بھی ہے، خلافت کی حفاظت کرنا ہے۔ دعائیں کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے فرائض کی مکمل ادائیگی کرتے ہوئے اپنے اور اپنے بیوی بچوں میں خلافت کی مکمل اطاعت کی روح پیدا کریں۔ اس جذبے کو بڑھائیں، سطحی نظر سے نہ دیکھیں کہ مومنین کی جماعت سے انعام کا وعدہ ہے۔ ان الفاظ پر غور کریں کہ کن سے خلافت کا وعدہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی اس انعام کے جاری رہنے کا وعدہ ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہ جاری رہے گا اور ضرور جاری رہے گا لیکن جیسا کہ مَیں نے شروع میں کہا تھا کہ اپنے معیار ایسے بلند کریں جو ایک حقیقی مومن کے ہونے چاہئیں تا کہ آپ بھی انہی لوگوں کی صف میں شامل رہیں جن سے اس انعام کا وعدہ ہے۔ اپنے بچوں کی صرف دنیاوی تعلیم پر ہی نظر نہ رکھیں بلکہ ان کو گھروں میں بھی دینی ماحول مہیا کریں۔ اپنے بچوں کو مسجدوں کے ساتھ، نماز سنٹروں کے ساتھ جوڑیں، انہیں دین کا علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائیں۔ انہیں قرآن کریم پڑھنے کی طرف توجہ دلائیں۔ ایک دفعہ تو مائیں کسی طرح بچوں کو قرآن کریم پڑھا دیتی ہیں یا کسی ذریعہ سے، مدد سے پڑھا دیتی ہیں اور بچے کی آمین بھی ہو جاتی ہے لیکن اس کے بعد پھر نگرانی نہیں ہوتی، تو یہ باپوں کا کام ہے کہ ان بچوں کو توجہ دلاتے رہیں۔ پھر نوجوانی میں قدم رکھنے کے بعد بچے باہر وقت گزارتے ہیں، اس وقت وہ ماؤں کے ہاتھوں میں نہیں رہتے۔ تو ان سے بھی ایسے دوستانہ تعلقات رکھیں کہ جب وہ گھر میں آئیں تو باہر کی باتیں آپ سے ڈسکس (Discuss) کریں۔ انہیں پھر اچھے برے کا فرق سمجھائیں۔ اچھا کیا ہے، برا کیا ہے۔ اس طرح کوشش کر کے جب آپ اپنی اگلی نسل کو سنبھالیں گے تو ان مومنین میں شمار ہوں گے جن کے ساتھ خلافت کا وعدہ ہے۔ پس عبادتوں میں بھی اپنے نیک نمونے قائم کریں کہ خلافت عبادت گزاروں کے ساتھ مشروط ہے۔ اپنی مالی قربانیوں کی طرف بھی توجہ دیں کہ خلافت سے اس کا بھی گہرا تعلق ہے اور اس زمانہ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو نظام وصیّت کے ساتھ جوڑ کر تعلق کو مزید واضح فرما دیا ہے۔''

اداریہ

23؍مارچ......یومِ تجدیدِ وفا

ماہ مارچ کی آمد اُس سعادت کا احساس دلاتی ہے جو مسیح الزماں اور مہدی معہود کی غلامی میں آنے سے ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ وہ مہدی معہود جس کی بعثت کے ساتھ اشاعتِ اسلام کی تکمیل اور عالمگیر فتح مقدّر تھی، وہ مہدی آخرالزماںؑ جس کو خدا نے خود یہ نوید دی کہ ’’مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا‘‘ ہماری خوش قسمتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اُس پر ایمان لا کر اُس کے پیغام کو پھیلانے میں مددگار بن جانے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ سعادت یقیناً ایک عظیم ذمہ داری ہے جس کی طرف خلفائے عظام مسلسل توجہ دلاتے رہے ہیں۔ چنانچہ قریباً ایک سو سال پہلے یعنی 1924ء میں سرزمین انگلستان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ ثانی کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بیرونِ ہندوستان کسی بھی خلیفۃ المسیح کا یہ سفر احمدیت کے لئے نئی فتوحات کی بنیاد قرار پایا۔ چنانچہ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ خود فرماتے ہیں:

’’خدا تعالیٰ کے فضل سے انگلستان کی روحانی فتح شروع ہو چکی ہے۔...... جو کچھ مَیں کہتا ہوں وہ ایک روحانی امر ہے، جس کو صرف وہی دیکھ سکتے ہیں جن کی روحانی آنکھیں ہوں۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس بادشاہ نے، جس کے قبضہ میں تمام عالم کی باگ ہے، مجھے رؤیا میں بتایا ہے کہ میں انگلستان گیا ہوں اور ایک فاتح جرنیل کی طرح اُس میں داخل ہوا ہوں اور اُس وقت میرا نام ’’ولیم فاتح‘‘ رکھا گیا......مَیں اس خواب کی بِنا پر یقین رکھتا تھا کہ انگلستان کی روحانی فتح صرف میرے انگلستان جانے سے وابستہ ہے۔ اور اب میرے نزدیک انگلستان کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ آسماں پر اُس کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اور اپنے وقت پر اس کا اعلان زمین پر بھی ہو جائے گا...... انگلستان فتح ہو چکا۔ خدا کا وعدہ پورا ہو گیا۔ اُس کی فتح کی شرط آسمان پر یہ تقدیر تھی کہ مَیں انگلستان آؤں۔ سو مَیں خدا کے فضل سے انگلستان پہنچ گیا ہوں۔ اب اس کارروائی کی ابتدا ان شاء اللہ شروع ہو جائے گی اور اپنے وقت پر دوسرے لوگ بھی ان شاء اللہ دیکھ لیں گے۔‘‘ (الفضل قادیان 4؍اکتوبر 1924ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے اس دورے کے دوران ’’یونیورسل چرچ پورٹ سمتھ‘‘ میں ’’پیغام آسمانی‘‘ کے موضوع پر 14؍ستمبر 1924ء کی شام انگریزی زبان میں ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی۔ حضورؓ نے پُرجوش الفاظ میں فرمایا:

’’اے لوگو! اس بات سے مت ڈرو کہ لوگ تم پر ہنسیں گے یا تم کو پاگل کہیں گے۔ کبھی کسی نے سچائی کو ابتدا میں قبول نہیں کیا کہ لوگوں نے اُسے پاگل نہیں سمجھا۔ کیا موسیٰ کو ماننے والے اور مسیح پر ایمان لانے والے پاگل نہیں سمجھے گئے، مگر کیا آخر وہی پاگل دنیا کے رہنما نہیں بنے؟ مَیں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جس پر جھوٹ بولنے والے کے متعلق تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں کہ وہ ہلاک کیا جاتا ہے، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے کہ مَیں انگلستان کے ساحل سمندر پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں انگلستان کی روحانی فتح ہوئی ہے۔ پس آج نہیں تو کل انگلستان مسیح موعود کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام کی طرف لوٹے گا، مگر مبارک وہ ہے جو اس کام میں سب سے پہلے قدم اُٹھاتا ہے۔‘‘ (الفضل 18؍اکتوبر 1924ء)

اُسی روز نومبائعین کو حضورؓ نے اپنے خطاب میں اشاعتِ اسلام سے متعلق نہایت قیمتی نصائح سے مستفیض فرمایا اور تبلیغ احمدیت کی طرف توجہ دلائی۔ حضورؓ نے فرمایا: **ہم نے کتابیں تیار کی ہیں اُن کو پڑھو اور اُن کے موافق عمل کرو اور اُن کی اشاعت کرو۔ ہم نے اپنا فرض ایک حد تک ادا کر دیا ہے۔ اب تمہارا فرض ہے پہلے خود علم حاصل کرو، عمل کرو اور پھر اُسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ ہر ممبر سلسلہ کا فرض ہے کہ وہ مبلغ ہو۔ تمام دنیا ہمارے خلاف ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اُن کو حقیقت سے واقف کریں۔ لیکن یہ کام صرف تنخواہ دار مبلغین کے ذریعے کامیابی سے نہیں ہو سکتا...... اگر تنخواہ دار مبلغین کے ذریعے ہی کام کرنا ہو تو پھر ہزاروں سال تک انتظار کرنا ہوگا...... یہ ہر ممبر کا فرض ہے...... مبلغین کا فرض صرف تعلیم ہے۔ اشاعت ممبروں کا فرض ہے۔**

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مذکورہ بالا ارشاد سرزمین انگلستان میں قیامت تک بستے چلے جانے والے احمدیوں کے لیے ایک براہ راست پیغام ہے۔ آج ہمارا بھی فرضِ اوّلین ہے کہ ان زرّیں ہدایات کو اپنے پیشِ نظر رکھیں اور ایک صدی قبل خلیفہ وقت کی زبان مبارک سے کی جانے والی اس اہم نصیحت کو کبھی فراموش نہ ہونے دیں۔ امر واقعہ یہی ہے کہ خلافتِ احمدیہ کا امین اور خلیفہ وقت کا سلطان نصیر ہونے کا اہل ثابت کرنے کے لئے سرزمین انگلستان کے ہر باشندے تک حقیقی اسلام یعنی احمدیت کے پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری آج ہم پر عائد ہوتی ہے۔ پس آئیے! دعاؤں کے ساتھ اپنی اس ذمہ داری کو بطریقِ احسن ادا کرنے کا ایک بار پھر عہد کریں۔

محمود احمد ملک

قسط 2

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اندازِ تربیت

(صاحبزادہ مرزا غلام احمد)

بعض لوگ کم عمری میں بچوں کو روزہ رکھوا دیتے ہیں۔ اس بارہ میں حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ قبل بلوغت کم عمری میں آپ روزہ رکھوانا پسند نہ فرماتے تھے۔ بس ایک آدھ رکھ لیا کافی ہے۔ پھر ایک بار پھر آپ نے روزہ رکھ لیا اور آ کر حضور کو بتایا کہ آج میرا روزہ پھر ہے۔ آپ حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھے پان دیا کہ لو پان کھالو۔ تم کمزور ہو، ابھی روزہ نہیں رکھنا، توڑ ڈالو روزہ۔ میں نے پان تو کھا لیا مگر آپ سے کہا کہ صالحہ (چھوٹے ماموں جان حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی اہلیہ) نے بھی رکھا ہے۔ ان کا بھی تڑوا دیں۔ فرمایا بلاؤ اس کو بھی۔ مَیں بُلا لائی۔ وہ آئیں تو ان کو بھی پان دیا اور فرمایا لو یہ کھالو تمہارا روزہ نہیں ہے۔ میری عمر اس وقت دس سال کی ہوگی۔ (تحریرات مبارکہ صفحہ 213-212)

حضور علیہ السلام بچوں کی تربیت کے لئے ایسے واقعات بھی بیان فرمایا کرتے تھے جن سے بچوں پر اچھا اثر پڑے۔ چنانچہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں: ’’آپؑ وقتِ فرصت بزرگوں کے واقعات اور ایسی باتیں سناتے جن سے دل پر بہت اچھا اثر ہوتا۔ میرے بھائیوں کو خاص طور پر فرماتے تھے کہ نماز مغرب اور عشاء کے بعد باہر نہیں پھرنا۔ گھر پر رہو۔ اگر باہر دیر ہو جائے تو اس کو ناپسند فرماتے۔ حضرت چھوٹے بھائی صاحب پر میں نے ایک بار کافی خفا ہوتے دیکھا کہ تم شام کے بعد باہر کیوں پھرے۔‘‘

ایک لڑکی کی کچھ عورتوں نے شکایت کی تھی کہ یہ کھڑکی میں سے باہر گلی میں جھانکتی رہتی ہے۔ آپ نے اس کو بلا کر خفگی کا اظہار کیا اور کہا کہ تمہاری سزا ہے کہ اب میری لڑکی تم سے نہیں کھیلے گی، نہ بات کرے گی۔ مجھے بھی بلا کر کہا کہ اب اس سے نہ بولنا۔ وہ بہت روئی دھوئی، توبہ کی آپؑ کے حضور میں۔ تو آپؑ نے دو چار روز کے بعد مجھے بلا کر کہا کہ اب تم اس کے ساتھ بات کر سکتی ہو۔

ایک اَور شکایت سن کر اس کو تو آپ نے بہت لمبی نصیحت کی تھی۔ آپؑ نے فرمایا عورت کی عصمت وعزت بہت نازک چیز ہے۔ موتی کی آب جاتی رہتی ہے تو اس کی وہ قیمت نہیں رہتی جو صاف وشفاف دُرِّ ناسُفتہ کی ہوتی ہے۔ اپنی عصمت کی حفاظت عورت کو کرنا بہت ضروری ہے۔

نیز آپؓ فرماتی ہیں: عام شکایت یا کسی خادم خادمہ کی چوری وغیرہ کی بات سنتے تو کہنے والے کو ٹوک دیتے۔ میرے دل پر اتنا اثر تھا اس آپ کے طرزِ عمل کا۔ کئی بار پرانی غیر احمدی خادماؤں کو بغیر پوچھے کچھ چیز اٹھاتے دیکھا تو کبھی نہ شکایت کی نہ کسی کو بتایا بلکہ خود شرم آتی تھی کہ یہ بات کہنے کی نہیں۔ پھر تو سب وہ لوگ بھی درست ہو گئے ہمارے دیکھتے دیکھتے۔ (تحریرات مبارکہ صفحہ 289-288)

حضرت مسیح موعودؑ بچوں کو بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف بھی ہمیشہ توجہ دلاتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد مرحوم قینچی سے کھیل رہے تھے۔ میں نے قینچی کی نوک مبارک احمد کی طرف کر رکھی تھی۔ آپؑ نے دیکھ لیا اور فرمایا: کبھی کوئی تیز چیز قینچی، چھری یا چاقو اُس کے تیز رُخ سے کسی کو نہ پکڑاؤ، اچانک کسی کو لگ سکتی ہے۔ کسی کی آنکھ میں لگ جائے، کوئی نقصان پہنچے تو اپنے دل میں بھی ہمیشہ پچھتاوا رہے گا اور دوسرے کو تکلیف پہنچے گی۔ پھر اس بات سے بھی آپ ہمیشہ روکتے تھے کہ کبھی کوئی ڈھیلا پتھر وغیرہ کسی کی جانب نہ پھینکو، کسی کے لگ جائے یا آنکھ پھوٹ جائے یا سر پھٹ جائے۔ اس کا ہمیشہ خیال رہتا تھا اور ہمیشہ بچوں کو اس پر روکتے تھے۔ میں اور مبارک احمد آپؑ کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھے کھیل کھیل میں ایک دوسرے کو ٹانگیں مار رہے تھے۔ لڑائی نہیں تھی کیونکہ ہم دونوں کا آپس میں بہت پیار تھا۔ فرمایا: کشتی کرو بیٹھک، کھیلو مگر لڑکیوں کے بدن کا ایک حصہ ایسا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سخت چوٹ لگ جائے تو موت کا ڈر ہوتا ہے۔ تم دونوں کھیلو مگر خیال رکھو کہ کسی نازک جگہ کسی کو چوٹ نہ آئے۔ (تحریرات مبارکہ صفحہ 265)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح بظاہر چھوٹی باتوں پر بھی نظر رکھتے۔ آپ بچوں کی سرگرمیوں اور کھیل کود پر بھی نظر رکھتے اور حسبِ موقع نصیحت فرماتے تھے۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت مولوی خیر الدین سیکھوانی صاحب نے بیان کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایسی باتیں جن کو بچے تو کیا بڑے بھی برا یا غیر اخلاقی نہیں سمجھتے تھے اور ان سے خود کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے بھی اپنے بڑوں کی نقل میں ایسی باتوں کے مرتکب ہو جاتے تھے۔ حضورؑ ان کی طرف بھی توجہ دلاتے رہتے تھے۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؑ برائے سیر نکلے۔ واپسی کے وقت راستہ کے ایک کنارے پر ایک درخت کیکر گرا ہوا تھا۔ کسی صحابی نے مسواکوں کے لئے اس درخت سے کاٹ کر لوگوں میں مسواکیں تقسیم کر دیں اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ہاتھ میں بھی کسی نے مسواک دے دی۔ (اس وقت آپ بچے تھے)۔ غرض جب ان کے ہاتھ میں مسواک آئی تو آپ نے بے تکلف حضرت صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ابا مسواک۔ آپؑ خاموش رہے۔ جب دوبارہ سہ بارہ کہا تو حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مسواک کس کی اجازت سے لی گئی ہے۔ حضور کا یہ فرمانا تھا کہ سب نے اپنے ہاتھوں سے مسواکیں پھینک دیں۔ (الحکم 28-21 مئی 1934ء صفحہ 24)

مذکورہ بالا واقعہ سے حضور کی سیرت کے دو پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ حضور کی تربیت کا انداز یہ نہیں تھا کہ ہر وقت روک ٹوک کی جائے یا پیچھے پڑا جائے۔ چنانچہ حضور کی نظروں کے سامنے حضور کے صحابہؓ گرے ہوئے کیکر کی مسواکیں استعمال کرتے رہے مگر حضور نے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ جب حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضور کی خدمت میں مسواکیں پیش کیں تب بھی حضور خاموش رہے لیکن مسواک قبول نہ فرمائی۔ مگر جب صاحبزادہ صاحب نے اصرار کے ساتھ دوبارہ مسواک پیش کی تو بچے کی اور اپنے اصحاب کی تربیت کے لحاظ سے حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مسواک کس کی اجازت سے لی گئی ہے؟

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔آپ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میاں یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے۔حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کے لئے باہر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:''میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں''۔(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 176 روایت نمبر 198)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ بیان فرماتے ہیں: جاڑے کا موسم تھا۔محمود نے جو اس وقت بچہ تھا آپؑ کی واسکٹ کی جیب میں ایک بڑی اینٹ ڈال دی۔آپؑ جب لیٹیں وہ اینٹ چبھے۔میں موجود تھا۔آپ حامد علی سے فرماتے ہیں: حامد علی! چند روز سے ہماری پسلی میں درد ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز چبھتی ہے۔وہ حیران ہوا اور آپؑ کے جسد مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا۔آخر اس کا ہاتھ اینٹ سے جا لگا۔جھٹ جیب سے نکال لی اور عرض کیا یہ اینٹ تھی جو آپ کو چبھتی تھی۔مسکرا کر فرمایا: اوہو چند روز ہوئے محمود نے میری جیب میں اینٹ ڈالی تھی اور کہا تھا اسے نکالنا نہیں، میں اس سے کھیلوں گا۔(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مرتبہ عبدالکریمؓ صفحہ 82,8)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ اس واقعہ کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ آپؑ کی شفقت پدری کا نمونہ اور بچہ کی دلداری کا کس قدر خیال کرنا ہے۔یہ بات بھی درست ہے لیکن میری رائے میں شفقت اور دلداری سے زیادہ یہ بچے کی تربیت کا ایک طریق ہے کہ کس طرح ایک چھوٹے سے بچے نے جو ایک امانت آپؑ کے پاس رکھوائی تھی اس کی پوری پاسداری کی جائے تا کہ بچہ اس نمونہ کو اپنی زندگی میں اپنائے۔چنانچہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی رضی اللہ عنہ جو حضور کے خاص دوستوں اور عاشقوں میں سے تھے، اُن کے بیان فرمودہ ایک واقعہ سے اس استدلال کی تائید ہوتی ہے اور یہ واقعہ بھی حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔حضرت منشی صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے۔اور سید فضل شاہ صاحب مرحومؓ حضور کے پیر داب رہے تھے کہ شاہ صاحب نے اشارہ کر کے مجھے کہا کہ یہاں پر جیب میں کوئی سخت چیز پڑی ہے۔میں نے ہاتھ ڈال کر نکالی تو حضور کی آنکھ کھل گئی۔آدھی ٹوٹی گھڑے کی ایک چپنی اور دو ایک ٹھیکرے تھے، مَیں پھینکنے لگا تو حضورؑ نے فرمایا: یہ میاں محمود نے کھیلتے کھیلتے میری جیب میں ڈال دیے ہیں۔آپ پھینکیں نہیں، میری جیب ہی میں ڈال دیں کیونکہ میاں نے ہمیں امین سمجھ کر اپنے کھیلنے کی چیز رکھی ہے۔وہ مانگیں گے تو ہم کہاں سے دیں گے؟''

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ 169 روایت نمبر 55 طبع جدید)

تربیت اولاد کے ضمن میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایک اور جگہ بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضور بچوں کی تالیف قلب اور دلداری کے لئے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی مان لیتے تھے مگر کبھی کبھی دینی کام کے پیش آ جانے پر ان کے حسبِ خواہش معمولی کام بھی کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔15 فروری 1901ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے طلباء کا کرکٹ میچ تھا۔بچوں کی خوشی بڑھانے کے لئے بعض بزرگ بھی شامل ہو گئے۔کھیل میں نہیں بلکہ نظارۂ کھیل کے لئے اور فیلڈ میں چلے گئے۔حضرت اقدس کے ایک صاحبزادے نے بچپن کی سادگی میں کہا کہ: ابا تم کیوں کرکٹ پر نہیں گئے۔یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مقابلہ میں 'اعجاز المسیح' لکھ رہے تھے۔بچہ کا سوال سن کر جو جواب دیا وہ آپ کی فطرتی خواہش اور مقصد عظمیٰ کا اظہار کرتا ہے۔فرمایا:''وہ تو کھیل کر واپس آ جائیں گے مگر میں وہ کرکٹ کھیل رہا ہوں جو قیامت تک قائم رہے گا۔''

(الحکم 21 فروری 1901ء صفحہ 7)

بچوں کی تربیت کا ایک پہلو ایسا ہے جس کی طرف ہم میں سے اکثر بہت ہی کم توجہ دیتے ہیں حالانکہ بحیثیت ایک مسلمان اور ایک احمدی کے اس طرف توجہ دینے کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔یہ پہلو دوسروں کی خدمت سے تعلق رکھتا ہے۔حضور علیہ السلام تربیت کے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دیتے تھے اور اپنے بچوں کو متوجہ فرماتے رہتے تھے۔چنانچہ اس ضمن میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بات سے بہت خوش ہوتے تھے کہ میں کسی کی خدمت کروں۔ہمارے گھر ایک ضعیفہ مائی تابی رہا کرتی تھیں۔ان کو مستقل سر درد رہتی تھی۔حضورؑ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ان کے علاج کے لئے دوائیاں بھی خود تجویز فرماتے اور دیتے تھے اور ان کو بادام کا شیرہ پلوایا کرتے تھے۔آپ فرماتی ہیں کہ میں اکثر ان کو بادام کا شیرہ رگڑ کر تیار کر کے پلایا کرتی تھی اور مجھے احساس تھا کہ حضور میرے اس کام سے خوش ہوتے تھے۔

پھر فرماتی ہیں کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی بڑی بیوی جو مولویانی کہلاتی تھیں حضورؑ کو ان کا بھی خیال رہتا تھا۔فرماتی ہیں کہ مولویانی مجھے اپنی ٹانگوں پر کھڑا کر کے پَیروں سے دبواتی تھیں اور اسے لتاڑنا کہتی تھیں۔حضورؑ فرمایا کرتے تھے تم نے مولویانی کو لتاڑا بھی؟ مَیں حضور کے اتنا پوچھنے پر مولویانی کو خوب لتاڑا کرتی تھی۔(مفہوماً تحریرات مبارکہ صفحہ 03-202)

ہمارے ماحول میں یعنی ہندو پاک میں ماں باپ اکثر نرینہ اولاد کی خواہش ہی رکھتے ہیں اور جاہلیت کے زمانہ کے عربوں کی طرح بچی کا پیدا ہونا کسی حد تک باعث شرم خیال کرتے ہیں یا کم سے کم لڑکی کی پیدائش پر وہ خوشی محسوس نہیں کرتے جیسی خوشی ایک لڑکے کی پیدائش پر کرتے ہیں۔پیدائش کے بعد بھی ماں باپ اپنے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ سلوک میں واضح طور پر لڑکے کو ترجیح دیتے ہیں۔بیٹوں کے لئے ماں باپ کا دل خاص طور پر کھلا ہوتا ہے حتی کہ روزمرہ کے کھانے میں بھی لڑکے کے لیے بہتر کھانا رکھا جاتا ہے اور لڑکی کے لئے معیار میں کم۔لڑکے کی ہر طرح ناز برداری کی جاتی ہے اور لڑکی کی ضروریات سے بھی ایک گونہ تغافل برتا جاتا ہے اور اگر بدقسمتی سے بیٹے کی خواہش اور بیٹی کی جائز ضروریات میں ٹکراؤ ہو تو ماں باپ کا جھکاؤ بیٹے کی خواہش پورا کرنے کی طرف ہوتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طرز عمل اس کے برعکس تھا۔حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ حضور علیہ السلام کے سلوک کے بارے میں تحریر فرماتی ہیں:''آپؑ نے بچپن سے مجھ پر بے حد شفقت فرمائی۔حتیٰ کہ حضرت اماں جان بھی مناسب تربیت کے لئے کچھ کہتی تھیں تو آپؑ ان کو بھی روکتے تھے کہ اس کو کچھ نہ کہو۔ہمارے گھر چند روزہ مہمان ہے۔یہ ہمیں کیا یاد کرے گی۔میں چھوٹی تھی تو رات کو اکثر ڈر کر آپؑ کے بستر میں جا گھستی۔جب ذرا بڑی ہونے لگی تو آپؑ نے فرمایا کہ جب بچے بڑے ہونے لگتے ہیں (اس وقت میری عمر کوئی پانچ سال کی تھی) تو پھر بستر میں اس طرح نہیں آ گھسا کرتے۔میں تو اکثر جاگتا رہتا ہوں۔تم چاہے سو دفعہ مجھے آواز دو میں جواب دوں گا اور پھر تم نہیں ڈرو گی۔اپنے بستر سے ہی مجھے پکار لیا کرو۔پھر میں نے بستر پر کود کر آپؑ کو تنگ کرنا چھوڑ دیا۔جب ڈر لگتا پکار لیتی۔آپؑ فوراً جواب

دیتے۔ پھر خوف اور ڈر لگنا ہی ہٹ گیا۔ میرا پلنگ آپؑ کے پلنگ کے پاس ہی ہمیشہ رہا۔ بجز چند دنوں کے جب مجھے کھانسی ہوئی تو حضرت اماں جان بہلا پھسلا کر ذرا دور بستر بچھوا دیتی تھیں کہ ’’تمہارے ابا کو تکلیف ہوگی‘‘، مگر آپ خود اٹھ کر سوتی ہوئی کا میرا سر اٹھا کر ہمیشہ کھانسی کی دوا مجھے پلاتے تھے۔ آخری شب بھی جس روز آپ کا وصال ہوا میرا بستر آپ کے قریب بالکل قریب ہی تھا کہ بس ایک آدمی ذرا گزر سکے اتنا فاصلہ ضرور ہوتا۔ مگر اُس وقت کی تفصیل لکھنے کی اِس وقت طاقت نہیں۔

ایک بار میرے چھوٹے بھائی حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے، وہ بھی آخر بچہ ہی تھے، اصرار کیا کہ میرا پلنگ بھی ابا کے قریب بچھا دیں مگر میں نے اپنی جگہ چھوڑنا نہیں مانا۔ حضرت اماں جانؓ نے فرمایا کہ یہ ہمیشہ پاس لیٹتی ہے کیا ہوگا، آخر شریف کا بھی دل چاہتا ہے۔ ایک دو دن یہ اپنی ضد ذرا چھوڑ دے بھائی کو لیٹنے دے تو کیا حرج ہو جائے گا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا نہیں یہ لڑکی ہے اس کا دل رکھنا زیادہ ضروری ہے۔ حالانکہ حضرت اماں جان کی خاطر آپ کو بہت عزیز رہتی تھی۔ حضرت اماں جانؓ چھوٹے بھائی صاحب کو لے کر اس رات ان کی دلداری کے لیے خود بھی بیت الدعا میں زمین پر ان کو ساتھ لے کر سوئیں مگر میرا بستر وہیں رہا۔ لیکن مجھے یاد ہے کہ اس بات پر پھر میرا دل بھی دُکھا تھا اور ندامت محسوس ہوئی۔ آپؑ لیٹے ہوتے تھے۔ میں دیکھتی جب آنکھ کھلتی کہ آپ کے لب مبارک ہل رہے ہیں اور اکثر آپؑ اٹھتے اور کاپی پر جو الہام ہوتا لکھتے، دیکھ کر میں سمجھ جاتی تھی کہ الہام ہوا ہے۔ آپؑ کی ہلکی ہلکی زیرِ لب آواز مجھے یاد ہے کہ کثرت سے سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم آپ پڑھتے رہتے تھے۔‘‘

(تحریرات مبارکہ صفحہ 200 تا 201)

لڑکیوں کی دلداری کے ضمن میں بھی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ’’کبھی آپ حضرت اماں جان کے فرمانے پر کہ لڑکیوں کی اتنی ناز برداری ٹھیک نہیں ہوتی، لڑکیوں کی قسمت کی کیا خبر! آپؑ مسکرا کر فرماتے خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے، تم فکر نہ کرو۔ ایسا کئی بار میرے سامنے فرمایا۔

میں پیسے مانگتی تو جو پہلی بار ہاتھ میں آجاتا پکڑا دیتے جو اکثر میری طلب سے زیادہ ہوتا تھا۔ آپ فرماتے کہ تمہاری قسمت ہے تھوڑا مانگتی ہو بہت ہاتھ میں آجاتا ہے۔ اب یہی لو میں واپس کیوں رکھوں۔ ایک بار میں نے دو آنے مانگے۔ روپیہ نکالا اور فرمایا مانگے دو آنے نکل آیا روپیہ، یہ تو تمہاری قسمت ہے۔

میں نے کہا مجھے لیچیاں دیں مگر قادیان میں ہر چیز کہاں ملتی۔ حضرت اماں جانؓ نے فرمایا کہ اس کی باتیں تو دیکھیں بے وقت لیچیوں کی فرمائش اب کر رہی ہے۔ میں خفا سی ہو کر دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ رہی اور سو گئی۔ سوتے سوتے میری آنکھ کھلی تو آپ مجھے دونوں ہاتھوں پر اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ جا کر مجھے گود سے اتار کر بھرے ہوئے لیچیوں کے ٹوکرے کے پاس بٹھا کر کہا لو کھاؤ اور حضرت اماں جانؓ سے فرمایا کہ دیکھو! چیز یہ مانگتی ہے اللہ تعالیٰ بھیج دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ مجھے دعاؤں کی توفیق بخشتا رہے اور میری دعاؤں کو اپنی رحمت اور کرم کے واسطے سے قبولیت کا شرف بخشے۔‘‘ (تحریرات مبارکہ صفحہ 204,203)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ حضور کے آخری سفر لاہور کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں: ’’آپ شام کو ضرور تھوڑی دیر کے لئے لینڈو میں سیر کو تشریف لے جاتے۔ ایک بار حضرت اماں جانؓ نے کہا لڑکی کو ساتھ لے جاتے ہو وہ دونوں بہوئیں ہیں ان کو کسی دن لے جایا کرو۔ آپ نے فرمایا نہیں میرے ساتھ مبارکہ ہی جائے گی، وہ الگ جا سکتی ہیں۔‘‘ (تحریرات مبارکہ صفحہ 253)

بچوں پر شفقت اور ان کی دلداری کے ضمن میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں: ’’ایک دفعہ ہم گھر کے بچے مل کر حضرت صاحب کے سامنے میاں شریف احمد صاحب کو چھیڑنے لگ گئے کہ ابا کو تم سے محبت نہیں ہے اور ہم سے ہے۔ میاں شریف بہت چڑتے تھے۔ حضرت صاحب نے ہمیں روکا بھی کہ زیادہ تنگ نہ کرو مگر ہم بچے تھے لگے رہے۔ آخر میاں شریف رونے لگ گئے اور ان کی عادت تھی کہ جب روتے تھے تو ناک سے رطوبت بہتی تھی۔ حضرت صاحب اٹھے اور چاہا کہ ان کو گلے لگالیں تا کہ ان کا شک دور ہو مگر وہ اس وجہ سے کہ ناک بَہہ رہا تھا پرے پرے کھنچتے تھے۔ حضرت صاحب سمجھتے تھے کہ شاید اسے تکلیف ہے اس لئے دُور ہٹتا ہے۔ چنانچہ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا کہ حضرت صاحب ان کو اپنی طرف کھینچتے تھے اور وہ پرے پرے کھنچتے تھے اور چونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اصل بات کیا ہے اس لئے ہم پاس کھڑے ہنستے جاتے تھے۔‘‘

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 48 روایت نمبر 64)

بنیادی بات جو حضور اقدس نے تربیت اولاد کے ضمن میں بیان فرمائی ہے اور جس پر آپ نے خاص زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت کرتے وقت ہمیشہ بچے کی خودداری اور عزت نفس کا خیال رکھا جائے اور کوئی ایسا طریق کار اختیار نہ کیا جائے جس سے بچے کی عزت نفس مجروح ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’اسلام چونکہ انسان کی کامل تربیت چاہتا ہے اور اس کی ساری قوتوں کی نشو و نما اس کا مقصد ہے اس لئے اس نے جائز نہیں رکھا کہ وہ طریق اختیار کیا جاوے جو انسان کی بے حرمتی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی توہین کرنے والا ٹھہر جاوے۔‘‘ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 700)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں کہ آپ کبھی بے اعتباری کی، شک کی بات نہ کرتے تھے۔ بچوں پر یقین رکھتے تھے۔ یعنی اعتماد ظاہر فرماتے تھے اور اس اعتماد کی شرم نہ تو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات کرنے دیتی اور نہ کوئی بات آپ سے پوشیدہ رکھنے کو دل چاہتا۔ جو بات کہو آپ غور سے سنتے جیسے کسی بڑے معتبر آدمی کی سنتے ہیں...... غرض بچہ کو نیک بات سنا دینا اور اس کے کاموں پر اس طرح سے نظر رکھنا کہ ہر وقت کی نکتہ چینی، شک و شبہ، روک ٹوک تو نہ ہو مگر خبر دار ضرور رہیں آپ۔ اور بچہ پر بڑی حد تک اعتبار کر کے اس پر خود اپنے افعال کی غیرت اور ذمہ داری پیدا کر دینا۔ کوئی بات ہو تو الگ سمجھا دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت ہر وقت کی برسر عام جھڑکی سے بے غیرت بنانے کی۔ (تحریرات مبارکہ صفحہ 60)

آپؑ نے بچوں پر بے جا سختی اور مارنے پیٹنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا جب حضور کو علم ہوا تو آپ نے انہیں بلایا اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ’’میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیّت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے مگر مغلوب الغضب اور سبک سر

اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوز دل سے دعا کرنے کو ایک حزب ٹھہرالیں۔ اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 309,308)

بعض والدین ذرا ذرا سی غلطی پر بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور اصلاح کے نام پر بات بات پر روک ٹوک کرتے رہتے ہیں۔ یہ طریق بھی بچوں کی عزت نفس کو مجروح کرنے والا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں: ''ہدایت اور تربیت حقیقی خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔ اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 309)

بچوں کی غلطیوں پر حضور کا اپنا رویہ کیا ہوتا تھا اس پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے۔ ایک بار حضرت مصلح موعود جبکہ ان کی عمر چار برس کی تھی بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اسی اثناء میں انہوں نے حضور اقدس کے ایک نہایت اہم اور ضروری مسودے کو دیا سلائی دکھا دی۔ مسودہ جل کر راکھ ہو گیا۔ حضور ابھی مضمون لکھ رہے تھے۔ لکھتے لکھتے پچھلا مضمون دیکھنے کی ضرورت پڑی تو مضمون کی تلاش ہوئی۔ لوگ پریشان تھے کہ اب کیا ہوگا اور ایک ناگوار نظارے کے متوقع تھے لیکن جب حضور کو معلوم ہوا کہ مسودہ جل چکا ہے تو مسکرا کر فرمایا: ''خوب ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی اور اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔''
(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ 370-369)

مذکورہ بالا واقعہ کی اہمیت کو صحیح طور پر وہی سمجھ سکتے ہیں جو تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ محنت اور جدو جہد سے تحریر کیا گیا مسودہ اگر ضائع ہو جائے تو دل پر کیا گزرتی ہے اور انسان کتنی تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن حضور کو اپنی محنت اور کوشش اور وقت کے ضیاع کا خیال نہیں آتا اور آپؑ کا دل اس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ غالباً اس ضیاع میں خدا کی کوئی حکمت ہوگی۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ ایک کتا ہمارے دروازے پر آیا۔ میں وہاں کھڑا تھا۔ اندر کمرے میں صرف حضرت صاحب تھے۔ میں نے اس کتے کو اشارہ کیا اور کہا ٹیپو۔ ٹیپو۔ ٹیپو۔ حضرت صاحب بڑے غصے سے باہر نکلے اور فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریز نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھ دیا ہے اور تم ان کی نقل کر کے کتے کو ٹیپو کہتے ہو۔ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔''
(الفضل یکم اپریل 1958ء صفحہ 3 سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ 78)

ایک طرف آپ بچے کا یہ فعل تو برداشت کر لیتے ہیں کہ وہ آپ کے نہایت محنت سے لکھے ہوئے مسودہ کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے جس پر خدا بہتر جانتا ہے کتنی راتیں اور کتنے دن آپ نے محنت کی ہوگی اور اس تکلیف اور محنت کا آپ کو کچھ خیال بھی نہیں آتا جو دوبارہ آپ کو کرنی پڑی ہوگی۔ لیکن ایک شہید مسلمان بادشاہ جس کا مسلمان ہونے کے سوا آپ کے ساتھ کچھ بھی تعلق یا رشتہ نہ تھا۔ لاعلمی میں اسی بچے کا ایسا نام لینا جس سے اس کی تحقیر ہوتی ہو آپ سے برداشت نہ ہوا اور آپ نے اس کو نہایت سختی سے ڈانٹ دیا۔ تربیت کا یہی انداز ہے جو ہمیں اپنانا چاہیے۔ بچے کے قصور پر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کے تنگ کرنے پر ہم بعض دفعہ برافروختہ ہو جاتے ہیں اور بچوں کو سزا دینے لگ جاتے ہیں۔ ہماری یا گھر کی کوئی چیز بچے سے خراب ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو ہم سخت غصہ کرتے ہیں اور بچوں کو مارنے لگ جاتے ہیں اور دوسری طرف وہی بچہ اگر دین پر عمل کرنے سے پہلوتہی کرتا ہے تو ہم اسے کچھ نہیں کہتے اور اس طرح ہم جہاں ایک طرف بچے پر نامناسب اور ناجائز حد تک سختی کرتے ہیں تو دوسری طرف حلم اور بردباری کے نام پر بچہ کی تربیت کے لیے مناسب حد تک سختی سے بھی گریز کرتے ہیں اور نرمی کے نام پر بچوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا تربیت کا یہ طریق نہ تھا۔ بچے کی کوئی حرکت حضور کے لیے ذاتی طور پر خواہ کیسی ہی تکلیف یا مشقت کا باعث بنتی حضور اس پر کچھ نہیں کہتے تھے اور اس کی کئی مثالیں قبل ازیں دی جا چکی ہیں لیکن جہاں یہ سمجھتے تھے کہ بچہ شعائر اللہ میں سے کسی کو استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے یا کسی دینی فرض کی انجام دہی میں غفلت کا مرتکب ہو رہا ہے تو حضور اس کی اصلاح کے لیے فوری اقدام فرماتے اور مناسب سرزنش کرتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ چنانچہ اسی قسم کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت صاحب کچھ بیمار تھے اس لئے جمعہ کے لئے مسجد میں نہ جا سکے۔ میں اس وقت بالغ نہیں تھا کہ بلوغت والے احکام مجھ پر جاری ہوں تاہم میں جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد کو آرہا تھا کہ ایک شخص مجھے ملا۔ اس وقت کی عمر کے لحاظ سے تو شکل اس وقت تک یاد نہیں رہ سکتی تھی مگر اس واقعہ کا اثر مجھ پر ایسا ہوا کہ اب تک مجھے اس شخص کی صورت یاد ہے۔ محمد بخش ان کا نام ہے.... میں نے ان سے پوچھا: آپ واپس آرہے ہیں، کیا نماز ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا' آدمی بہت ہیں، مسجد میں جگہ نہیں تھی، میں واپس آگیا۔' میں بھی یہ جواب سن کر واپس آ گیا اور گھر میں آکر نماز پڑھ لی۔ حضرت صاحبؑ نے یہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا: ''مسجد میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے؟ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں بچپن سے ہی حضرت صاحب کا ادب ان کے نبی ہونے کی حیثیت سے کرتا تھا۔ میں نے دیکھا آپؑ کے پوچھنے میں ایک سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کے اس رنگ میں پوچھنے کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا۔ جواب میں میں نے کہا کہ میں گیا تو تھا لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس آگیا۔ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن جس وقت جمعہ پڑھ کر مولوی عبدالکریم صاحبؓ آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے کے لئے آئے تو سب سے پہلی بات جو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ سے دریافت کی، وہ یہ تھی کہ آج لوگ مسجد میں زیادہ تھے؟ اس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی کیونکہ میں خود تو گیا ہی نہیں تھا۔ معلوم نہیں بتانے والے کو غلطی لگی یا مجھے اس کی بات سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ان کی بات سے یہ سمجھا تھا کہ مسجد میں جگہ نہیں ہے۔ مجھے فکر یہ ہوئی کہ اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے یا بتانے والے کو ہوئی ہے، دونوں صورتوں میں الزام مجھ پر آئے گا کہ میں نے جھوٹ بولا۔ مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے جواب دیا: ہاں حضور! آج واقعہ میں بہت لوگ تھے۔ میں اب بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔ خدا نے میری بریت کے لئے یہ سامان کر دیا کہ مولوی صاحب کی زبان سے بھی تصدیق کرا دی کہ فی الواقعہ اس دن غیر معمولی طور پر لوگ آئے تھے۔ بہرحال یہ ایک واقعہ ہے جس کا آج تک میرے قلب پر گہرا اثر ہے۔''
(الفضل 18 جون 1925ء صفحہ 7)

(جاری ہے)

اصحابِ احمدؑ کا تعلق باللہ

قسط سوم۔ آخر

(فرخ سلطان محمود)

☆... حضرت شیخ فضل احمد صاحبؓ بٹالوی بیان فرماتے ہیں کہ اواخر 1934ء میں فوج میں بار بار کے تبادلوں سے میری طبیعت اُکتا گئی اور میں چاہتا تھا کہ کسی طرح مجھے پنشن مل جائے اور مَیں بقیہ زندگی قادیان میں گزاروں۔ سو اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کردی اور میں طبّی لحاظ سے ناقابل ملازمت قرار دیا گیا اور ستمبر 1935ء میں اپنے گھر قادیان آ گیا۔ اگلے روز یہاں میں نے کمرہ بند کرکے دعا مانگی کہ الٰہی! تُو مجھے اپنے رحم خاص سے میری خواہش کے مطابق قادیان لے آیا ہے۔ اب ایک اَور نظرِ رحم کر کہ مجھے کسی کے دَر پر رزق اور ملازمت وغیرہ کے لئے جانا نہ پڑے حتّٰی کہ خلیفہ کے در پر بھی نہ لے جائیو اور اپنے فضل سے ہی میرے رزق کے سامان کریو۔ دعا کے بعد مَیں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک دوست کو کھڑے پایا جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی چٹھی لائے تھے جس میں مرقوم تھا کہ آپ مجھے کسی وقت آکر ملیں۔ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ یہ قبولیت دعا کا نشان ہے۔ ملاقات میں حضرت میاں صاحبؓ نے فرمایا کہ میں احمد آباد سینڈیکیٹ کا سیکرٹری ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے دفتر میں کام کریں۔ مَیں نے خوشی اور شکریہ کے ساتھ تعمیلِ ارشاد کی۔ مجھے علاوہ پنشن تیس روپے ماہوار الاؤنس ملنے لگا۔ نیز احمدیہ سٹور کا منیجر بھی مقرر کیا گیا اور پندرہ روپے الاؤنس مقرر ہوا۔ اس طرح مجھے اتنی ہی آمدنی ہونے لگی جتنی ملازمت میں تھی۔

(رسالہ ''انصارالدین ستمبر و اکتوبر 2010ء)

☆... حضرت امیر خان صاحبؓ انجمن میں تیس روپے ماہوار پر ملازم تھے۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ 1925ء میں انجمن میں تخفیف ہوئی اور مَیں بھی تخفیف میں آ گیا۔ سخت تنگی میں سوائے خدا کے آستانے کے اَور کوئی چارۂ کار نہ دیکھا۔ چنانچہ دردِ دل سے دعا کی۔ اسی دوران رمضان میں خاص دعا اور اعتکاف کی توفیق بھی ملی تو الہام ہوا کہ ''دَم وَٹ زمانہ کٹ، بھلے دن آون گے''۔ جب اس بشارت پر بھی عرصہ گزر گیا اور تنگی نے بہت ستایا تو فارسی میں بشارت ہوئی: ''غم مخور زانکہ دراِیں تشویش خورمی وصل یار می بینم''۔ اس کے چند دن بعد خدا تعالیٰ نے مجھے لڑکا عطا کیا اور پھر محکمہ اشتمال اراضیات میں بمشاہرہ 90/ روپے ماہوار سب انسپکٹر بھی ہو گیا۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ رجسٹر نمبر 6 صفحہ نمبر 152-151)

☆... حضرت خلیفہ نورالدین صاحبؓ سکنہ جموں فرماتے ہیں کہ (شدید تنگی کے دوران) مَیں نے پیدل کشمیر جاتے ہوئے راستہ میں ایک جنگل میں نماز پڑھ کر اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ والی دعا نہایت زاری اور انتہائی اضطراب سے پڑھی۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری روزی کا سامان کچھ ایسا کر دیا کہ مجھے کبھی تنگی نہیں ہوئی اور باوجود کوئی خاص کاروبار نہ کرنے کے غیب سے ہزاروں روپے میرے پاس آئے۔ (ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ، رجسٹر نمبر 12 صفحہ نمبر 68)

☆... حضرت مولوی برہان الدین جہلمی صاحبؓ کی نظر سے جب ''براہین احمدیہ'' گزری تو اسے پڑھ کر حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ 1886ء میں آپ قادیان پہنچے لیکن حضورؑ اُس وقت ہوشیارپور میں بغرض چلّہ کشی مقیم تھے۔ چنانچہ آپؓ ہوشیارپور چلے گئے اور حضورؑ کی رہائشگاہ کا بڑی مشکل سے پتہ چلایا۔ وہاں پہنچ کر خادم کے ذریعہ اپنے نام اور مقصد سے اندر اطلاع بھجوائی۔ جب خادم اندر گیا تو آپ کو فارسی میں الہام ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے جہاں پہنچنا تھا پہنچ گئے ہیں، اب یہاں سے نہ ہٹیں۔ چنانچہ خادم نے جب واپس آکر عدم فرصتی کی معذرت کی اور کہا کہ پھر کسی وقت تشریف لائیں تو آپ نے کہا کہ میرا گھر دُور ہے اس لئے دروازہ پر ہی بیٹھ کر انتظار کرتا ہوں۔ اس پر خادم دوبارہ اندر گیا تو اندر حضورؑ کو عربی میں الہام ہوا کہ مہمان آئے تو اس کی مہمان نوازی کرنی چاہیے۔ اس پر حضورؑ نے آپ کو اندر بلالیا اور بہت خندہ پیشانی سے ملے۔ آپؓ نے چند روز وہاں قیام کیا اور پھر حضورؑ سے بیعت کے لئے درخواست کی لیکن حضورؑ نے فرمایا کہ مجھے بیعت لینے کا حکم نہیں ملا۔ (روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 28؍جولائی 2001ء)

☆... حضرت عبدالستار صاحبؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے خواب آئی کہ حضورؑ ہمارے گھر چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ گاؤں والے مجھے سخت تکلیف دے رہے ہیں، آپ دعا فرمائیں۔ اس پر حضورؑ نے پنجابی میں فرمایا کہ مَیں تو یہی کام کرتا ہوں۔ دوبارہ مَیں نے اپنے لئے دعا کے لئے عرض کی تو حضورؑ نے میرے بائیں بازو کو پکڑ کر ایک ہاتھ سے دعا کرنی شروع کر دی۔ مَیں نے بھی دعا کرنی شروع کر دی۔ اسی دوران بہت سخت زلزلہ آ گیا اور مَیں گرنے لگا تو حضورؑ کو زور سے پکڑ کر بغل گیر ہو گیا اور مجھے جاگ آ گئی۔ پھر صبح سویرے میں قادیان آیا تو حضورؑ نے بڑے باغ میں خیمہ لگایا ہوا تھا اور باہر ٹہل رہے تھے۔ مَیں نے سلام عرض کیا اور اجازت لے کر اپنا خواب سنایا۔ اس پر حضورؑ نے تین دفعہ فرمایا: ''تم بچائے جاؤ گے''۔ جب مَیں گاؤں آیا تو میری بیوی اور لڑکی کو طاعون ہو گئی۔ لوگوں نے کہا کہ دس بارہ آدمی روز مر رہے ہیں، تمہاری (احمدیوں کی) میت کو کون اُٹھائے گا؟ مَیں نے جواب دیا کہ ہم کو خدا کو سونپو۔ میری بیوی قریب المرگ ہوئی تو مَیں نے وضو کرکے دعا کی کہ اے مولیٰ! ہماری قبر کھودنے والا اور اُٹھانے والا اور غسل دینے والا بھی کوئی نہیں۔ میرے پاس سنگترے تھے، مَیں وہی چھیل کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا رہا۔ اچانک اُسے دست آئے اور ساتھ ہی بخار بھی ٹوٹ گیا۔ پھر لڑکی کے پھوڑے پر آک (پودے) کا دودھ لگایا تو اُس کو بھی آرام آ گیا۔ تب مجھے حضورؑ کی بات یاد آئی کہ ''تم بچائے جاؤ گے۔'' (تینوں اللہ کے فضل سے بچائے گئے۔) (ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ رجسٹر نمبر 6 صفحہ نمبر 183-184 روایت حضرت عبدالستار صاحبؓ)

☆... حضرت میر مہدی حسین صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت صاحب کے دروازے پر دربان تھا۔ ایک روز حضورؑ نے مجھے حکم دیا کہ یہ قرآن شریف حکیم فضل دین صاحبؓ کے پاس لے جاؤ اور فلاں مضمون کی آیت دریافت کرکے اُس پر نشان کرکے لے آؤ۔ مَیں نے چاہا کہ مَیں خود ہی وہ آیت نکال کر پیش کر دوں

جس کی حضورؑ کو تلاش تھی۔ تب مَیں نے وہیں کھڑے کھڑے دعا کی کہ وہ آیت مجھے ہی بتلا دی جائے اور پھر قرآن شریف کھولا تو میری پہلی نظر ہی اُس آیت پر پڑی جو حضرت اقدسؑ کو مطلوب تھی۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور! آیت یہ موجود ہے۔... حضورؑ نے میرے ہاتھ سے قرآن شریف لے کر اس آیت کو دیکھا اور فرمایا کہ ہاں یہی ہے۔ (ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ رجسٹر نمبر 11 روایت حضرت میر مہدی حسین صاحبؓ)

☆... حضرت حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیر آبادی بیان فرماتے ہیں کہ جلسہ مذاہب عالم میں پڑھے جانے والے مضمون ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے بارے میں حضرت صاحب کا الہام جب پڑھا کہ 'میرا مضمون بالا رہا' تو مَیں اُن دنوں بہت بیمار اور بہت زیادہ کمزور تھا۔ لیکن حضورؑ کا یہ بھاری دعویٰ دیکھا تو خیال آیا کہ بجز تائید الٰہی یہ بات کون کہہ سکتا ہے! چنانچہ افتاں وخیزاں (گرتا پڑتا) جلسہ گاہ میں پہنچا۔ پہلے والے لیکچر بھی سنے مگر سب پھیکے اور بے اثر۔ لیکن جب حضرت صاحب کا مضمون شروع ہوا تو تِل رکھنے کی جگہ نہ تھی اور سامعین پر ایسا سکوت تھا کہ ذرا بھنک نہیں آتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض اَور لوگوں نے بھی اپنے اوقات آپؑ کا مضمون سننے کے لئے وقف کر دیئے اور دو دن ایامِ مقررہ سے زائد کئے گئے۔ جب یہ مضمون آخر میں پہنچا تو مَیں نے اسی جگہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ! اگر یہ تیرا وہی بندہ ہے جس کی نسبت تیرے پیارے رسول ﷺ نے پیشگوئی فرمائی ہے تو اُس کی برکت سے مجھے اس بیماری سے شفا بخش دے۔ الغرض جلسہ ختم ہونے کے بعد جب مَیں باہر نکلا تو اللہ کی قسم! مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کوئی بیماری نہ تھی اور پھر اس بیماری نے کبھی عود نہ کیا۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ رجسٹر نمبر 11 صفحہ نمبر 247-248 روایت حضرت میر مہدی حسین صاحبؓ)

☆... حضرت اللہ بخش صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ کرم دین کے مقدمے میں پہلے چندُو لال آریہ منصف تھا۔ میرے ایک آریہ دوست نے مجھے خبر دی کہ ہماری کمیٹی میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کو سخت سزا دی جائے۔ میں نے جا کر یہ خبر حضرت صاحب کی خدمت میں بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ دعا کرو۔ مَیں واپس آ گیا۔ اگلے روز صبح کی نماز کے وقت مسجد میں درود شریف پڑھ رہا تھا کہ میرے دائیں کان میں جو قریباً بند ہے زور سے آواز آئی کہ چندو لال فیصلہ سنانے سے پہلے مر جائے گا۔ پھر مَیں نے حضرت صاحب کی خدمت میں آ کر یہ خواب بیان کی تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ مبشر خواب ہے اَور دعا کرو۔ اس کے بعد نئے مجسٹریٹ آتمارام کی شکل بھی رؤیا میں دکھائی گئی جو ٹانگ سے کچھ معذور تھا اور جب مَیں نے عدالت میں اُس کو دیکھا تو پہچان لیا۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر 11 صفحہ نمبر 145 تا 147)

☆... حضرت شیخ فضل احمد صاحبؓ بٹالوی فرماتے ہیں کہ 1916ء میں فوج کی ملازمت کے دوران ایک روز مَیں اپنے ساتھی کلرک بابو ہری سنگھ کے ساتھ دفتر سے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ ان کے ساتھ اکثر مذہبی گفتگو رہتی تھی۔ انہوں نے پوچھا: کیا آپ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے؟ مَیں نے کہا کہ آپ سوال کی تصحیح کر کے یہ پوچھیں کہ کیا آپ کا میرے مقابل پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق ہے؟ انہوں نے کہا یوں ہی سہی۔ اثبات میں جواب دینے پر انہوں نے ثبوت طلب کیا۔ میں نے کہا کہ ''آپ میرے ہاتھ سے ڈسچارج ہوں گے''۔ بات تو میرے منہ سے نکل گئی اور میں خود حیرت میں ڈوب گیا کہ یہ کیا بات میرے منہ سے نکلی تھی۔ ادھر یہ سکھ بھی حیران تھا کہ یہ کیا جواب ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان تھوڑے عرصہ میں اُن کی آنکھوں میں تیز ککرے پڑ گئے اور وہ کئی ماہ تک شفاخانہ میں داخل رہے۔ وہ صحت یاب ہوئے تو مَیں رخصت لے کر قادیان آ گیا اور وہ کور کے ہمراہ راولپنڈی آ گئے۔ میں رخصت کے بعد جب راولپنڈی میں کور کے دفتر پہنچا تو بابو ہری سنگھ نے کہا کہ افسر آپ پر مہربان ہے۔ اُس کو کہیں کہ وہ مجھے ہسپتال لے جا کر طبی طور پر مجھے ناقابل ملازمت قرار دلا دے تا کہ مجھے پنشن مل جائے۔ چنانچہ میرے کہنے پر افسر نے ایسا ہی کیا۔ جب ان کی ملازمت سے فراغت اور پنشن کے کاغذات بن گئے تو اچانک بنوں والی بات مجھے یاد آ گئی اور میں نے ان کو کہا کہ لو بابو صاحب آج وہ بات پوری ہو گئی کہ آپ میرے ہاتھ سے ڈسچارج ہوں گے اور یہ اسلام کی سچائی کا ثبوت ہے۔

(رسالہ ''انصارالدین ستمبر و اکتوبر 2010ء)

☆... حضرت مرزا غلام نبی صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ بیعت کے بعد حضرت صاحب کے الہامات پر مخالفین کے تبصرے پڑھ کر مجھے پریشانی ہوتی تھی۔ ایک دن مَیں نے خدا کے حضور دعا کی تو اچانک دوپہر کے وقت مجھ پر حالتِ غنودگی طاری ہوئی اور آسمان سے ایک نیلگوں رنگ کا گھوڑا اترتا ہوا معلوم ہوا۔ جوں جوں وہ زمین کے نزدیک آتا تھا اُس کا رنگ شوخ ہوتا جاتا تھا۔ اُس کی گردن سے بجلی کی طرح ایک شعلہ نکلتا تھا۔ میرے دل پر یہ القاء ہوا کہ یہ تمہارے مرشد کا نشان ہے۔ عنقریب یہ روشنی زمین تک پہنچے گی اور دشمنوں کا رنگ زرد کر دے گی۔ اس کے چند ماہ بعد حضرت صاحب کا روشن ستارے والا نشان جو حقیقۃ الوحی میں درج ہے، وہ نمودار ہوا۔ (ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر 11 صفحہ نمبر 225)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن ستارے والی پیشگوئی 31 مارچ 1907ء کی شام کو پوری ہوئی جب آگ کا ایک بہت بڑا شعلہ، جس سے دل کانپ اٹھے، آسمان پر ظاہر ہوا اور ایک ہولناک چمک کے ساتھ قریباً سات سو میل تک جابجا زمین پر گرتا دیکھا گیا۔ اور ایسے ہولناک طور پر گرا کہ ہزار ہا مخلوقِ خدا اس کے نظارہ سے حیران ہو گئی اور بعض بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اکثر لوگوں کا بیان ہے کہ وہ آگ کا آتشی گولہ تھا جو نہایت مہیب اور غیر معمولی صورت میں نمودار ہوا اور ایسا دکھائی دیا کہ وہ زمین پر گرا اور پھر دھواں ہو کر آسمان پر چڑھ گیا...۔

(ماخوذ از حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 518)

☆... اصحاب احمد کی قبولیتِ دعا کے متفرق نشانات کو بیان کرتے ہوئے ایک خطبہ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''اس طرح اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کو دعا کے بعد نشانات کی طرف اشارہ کرتا تھا اور پھر وہ نشانات ظاہر بھی ہوئے اور اس طرح یہ اُن کے ایمان میں ترقی کا باعث بنتے تھے۔ پس دعاؤں کی قبولیت اور روشن نشانوں سے اللہ تعالیٰ نے اُن صحابہ کے ایمانوں کو مزید مضبوط اور صیقل کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ دعاؤں کی حقیقت اور آداب کا جو ادراک صحابہ کو حاصل ہوا، یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہم میں سے ہر ایک کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں بھی روشن نشانوں کے ذریعہ قبولیت دعا کے نشان دکھائے۔ ہم میں سے ہر ایک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان میں مضبوط ہو اور اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کرنے والا ہو۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 15/جون 2012ء)

باب چہارم
چند صحابیاتِ احمد کے تعلق باللہ کے واقعات

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشارِ نورانیت اس حد تک ہوگا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہوجائے گا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے اور عوام النّاس روح القدس سے بولیں گے اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی روحانیت کا پرتَو ہوگا۔‘‘ (’’ضرورۃ الامام‘‘۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 475)

تاریخ احمدیت میں کثرت سے ایسے واقعات محفوظ ہیں جو تعلق باللہ کے حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحابیات کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے محض چند بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

☆... حضرت امّاں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کے بارے میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں کہ آپؓ کی نیکی اور دینداری کا مقدّم ترین پہلو نماز اور نوافل میں شغف تھا۔ پانچ فرض نمازوں کا تو کیا کہنا آپؓ تہجد اور نماز اشراق کی بھی بے حد پابند تھیں اور انہیں اس ذوق وشوق سے ادا کرتیں کہ دیکھنے والے دل میں ایک خاص کیفیت محسوس کرتے۔ بلکہ ان نوافل کے علاوہ بھی جب موقع ملتا نماز میں دل کا سکون حاصل کرتی تھیں۔ مَیں پوری بصیرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ پیارا قول کہ ’’میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے‘‘ یہی کیفیت حضرت اماں جانؓ کو اپنے آقاؐ سے ورثہ میں ملی تھی یہاں تک کہ چھٹی کے دنوں میں بھی نماز کا وقت باتوں میں ضائع نہیں فرماتی تھیں بلکہ مقررہ اوقات میں تنہا ٹہل کر دعا یا ذکر الٰہی کرتی تھیں۔ سب سے زیادہ آپؓ کی زبان مبارک پر یہ مسنون دعا آتی: ’’یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ‘‘۔
(ماخوذ از احمدی خواتین کا تعلق باللہ۔ روزنامہ ’’الفضل‘‘ ربوہ 20؍جولائی 2009ء)

☆... حضرت مولوی قدرت اللہ سنوری صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب مَیں قادیان آتا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت اماں جانؓ کی دعوت کرتا۔ ایک بار سارے خاندان کی دعوت کی۔ کھانا کچھ لنگر میں پکوایا۔ زردہ، پلاؤ، کباب وغیرہ حضرت اماں جانؓ نے اندر تیار کرائے۔ پروگرام کے مطابق حضرت مصلح موعودؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور مَیں نے مسجد میں کھانا کھانا تھا۔ جب ہم کھانا کھانے لگے تو مَیں نے پیغام بھیجا کہ ہمارے ساتھ تیرہ احباب اَور بھی مدعو ہیں۔ اماں جانؓ نے فرمایا کہ یہ تمہاری غلطی ہے۔ باقی کھانا تو کافی ہے لیکن زردہ صرف چار پلیٹ کا ہے۔ پھر آپؓ نے اپنے دوپٹہ کا پلّو دیگچہ کے منہ پر ڈال کر جلدی جلدی سترہ رکابیوں میں زردہ ڈال دیا اور پھر دیگچہ پر تھال دے دیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد آپؓ نے میری بیوی سے فرمایا: دیکھ، زردہ کتنا باقی ہے؟ اُس نے دیکھا کہ جس قدر پہلے تھا، اُسی قدر باقی ہے۔ آپؓ نے فرمایا: یہ گھر لے جا اور قدرت اللہ کو کہنا کہ شام اور کل صبح تک کھاوے۔

سنور میں قیام کے دوران حضرت اماں جانؓ سے مَیں نے عرض کیا کہ دالان میں سیاہ رنگ کے کیڑے مکوڑے نکل کر تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ مَیں نے کئی بار کوشش کی لیکن یہ کسی نہ کسی جگہ سے نکل آتے ہیں۔ فرمایا: آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ عرض کیا: حضور دعا فرماویں کہ یہ مکان چھوڑ جاویں۔ فرمایا: اب مَیں کیڑوں کے لئے دعا کرتی پھروں؟ عرض کیا: حضور کی مرضی۔ اس پر آپؓ آگے بڑھیں اور جہاں کیڑے نکل رہے تھے، وہاں کھڑے ہوکر کیڑوں کو مخاطب کرکے فرمایا: ’’ارے بھئی! تم اِن کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ پرے چلے جاؤ‘‘۔ اس واقعہ کے بعد تیس سال تک وہ مکان میرے قبضہ میں رہا مگر اس میں پھر کیڑے نہ آئے۔
(ماخوذ از حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ مطبوعہ ماہنامہ مصباح ربوہ اپریل 2000ء)

☆... خدا تعالیٰ کے لئے حضرت امّاں جانؓ بہت غیرتمند تھیں۔ آپؓ کی بہو حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ اپنے والد صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے ہوش ہو گئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ حضرت سیدہ اماں جانؓ میرا سر اپنی گود میں رکھے دعائیں کررہی ہیں۔ میرے مونہہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے: ’’اللہ میاں میرے چھوٹے چھوٹے بھائی ہیں، ان کا کیا ہوگا...؟‘‘ حضرت اماں جانؓ یہ سنتے ہی بولیں: ’’تمہارے ابا رازق نہ تھے، اُن کی زندگی میں بھی خدا تعالیٰ ہی بچوں کا رازق تھا، اُن کے بعد بھی وہی اُن کا کفیل ہوگا‘‘

حضرت امّاں جانؓ کے تعلق باللہ کا اظہار اس واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ حضرت سیدہ مہر آپا کی والدہ ماجدہ کی دو بیٹیاں تھیں اور بظاہر بیماری کی وجہ سے اُن کے والد صاحب کو دوسری شادی کا مشورہ دیا جارہا تھا۔ تب انہوں نے حضرت اماں جانؓ کی خدمت میں ساری بات عرض کرکے دعا کی درخواست کی تو آپؓ نے فرمایا: ’’تم دعائیں، علاج اور صدقات سے کام لیتی جاؤ۔ خدا تعالیٰ تمہیں نرینہ اولاد سے نوازے گا، ان شاء اللہ، اور ایسا ہوتے ہوئے میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں‘‘۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تین بیٹوں سے نوازا۔ (ماخوذ از ’’ہراول دستہ‘‘ از محترمہ ستارہ مظفر صاحبہ)

☆... حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی عبادت کا اپنا انداز تھا۔ خود فرماتی ہیں: ’’میں نے سجدے مخصوص کئے ہوئے ہیں اور اس میں ایک سجدہ تو اس حصۂ جماعت کے لیے بھی مخصوص ہے جس نے کبھی مجھے دعا کے لئے لکھا بھی نہیں تھا۔‘‘

آپؓ بلاناغہ عشاء کے بعد قرآن مجید کی تلاوت فرماتیں اور رات کو بارہ بجے کے بعد ہی عموماً سوتیں۔ چار سال کی عمر سے ہی تہجد پڑھ رہی تھیں۔ ظاہری شان و شوکت تو اللہ تعالیٰ کی ودیعت تھی۔ لیکن باطنی طہارت ومجاہدات میں آپ کا اپنا عمل اور کوشش بھی شامل تھی۔ آپ نے اپنے نفس کو کچل دیا تھا۔ آپ فرمایا کرتی تھیں کہ ’’میری تو یہ حالت ہے کہ بستر پر کروٹ بدلتی ہوں تو ہر کروٹ پر احباب جماعت کیلئے دعا کرتی ہوں۔‘‘ (ماخوذ از احمدی خواتین کا تعلق باللہ۔ ’’الفضل‘‘ ربوہ 20؍جولائی 2009ء)

☆... حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ کے متعلق اُن کی بیٹی مکرمہ فوزیہ شمیم صاحبہ رقمطراز ہیں: ’’خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بے حد محبت تھی۔... خدا تعالیٰ کی ذات پر بے انتہا توکّل اور دعاؤں پر بے حد یقین تھا۔ صحت کی حالت میں گھنٹوں عبادت میں گزارتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چار سال کی عمر میں آپ کو اپنے مولیٰ کے سپرد کر گئے اور حقیقۃً ساری زندگی اپنے مولا کی گود میں رہیں۔ بسا اوقات کسی چیز کی خواہش کرلیتیں اور وہ غیب سے آجاتی۔ پھر تحدیث نعمت کے طور پر بار بار اس کا ذکر کرتیں اور خوش ہوتیں۔ غیر اللہ پر بھروسہ کرنے سے سخت نفرت تھی۔‘‘ (ایضاً)

☆... حضرت سیدہ سعیدۃ النساء صاحبہؓ (والدہ حضرت سیدہ امّ طاہرؓ) کے بارہ میں اُن کے محترم خاوند حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

آپؓ نے بچپن سے آخر عمر تک اپنی زندگی عبادت الٰہی میں گزاری۔ بچپن اور

جوانی میں اپنوں اور دوسروں میں پارسا کے لقب سے مشہور تھیں۔ بیعت کے بعد آپ کی عبادت اور ذکر الٰہی کی کیفیت پانی کی مچھلی کی سی تھی۔ آپؓ دن رات انتھک دعائیں اور ذکر الٰہی کرنے والی اور تقویٰ اور طہارت کا بہترین اسوہ تھیں۔ رات کو بارہ ایک بجے کے بعد آپؓ بیدار ہو جاتیں اور صبح تک عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں۔ دن رات کا بڑا حصہ عبادت و ذکر الٰہی میں بسر ہوتا۔ سخت بیماری کی حالت میں بھی آپؓ ایسا ہی کرتیں۔ جب گھر میں کوئی حکم الٰہی کا ذکر کرتا کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر اپنی جان کو تکلیف نہ دو تو فرماتیں: میری جان کو تو اس سے راحت ہوتی ہے۔ آخری مرض تک باجماعت نماز ادا کرتی رہیں۔ کئی کئی گھنٹے کی عبادت سے بھی تھکاوٹ محسوس نہ کرتیں۔ آپ دوسروں کو بتاتیں کہ نماز تو وہ ہوتی ہے جب انسان عرش معلّٰی پر جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرے۔ مَیں نماز سے سلام نہیں پھیرتی جب تک میری روح اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ نہیں کرتی اور جب یہ حالت ہوتی ہے تو مَیں اس وقت اسلام اور ساری جماعت احمدیہ کیلئے دعاؤں میں لگ جاتی ہوں۔

آپؓ بیعت سے پہلے بھی صاحب حال تھیں۔ پیغمبروں، اولیاء اور فرشتوں کی زیارت کر چکی تھیں۔ خواب میں دیکھنے سے حضرت صاحب پر ایمان پیدا ہو گیا تھا اور مجھ سے کہا کہ مجھے تین ماہ کی رخصت لے کر قادیان جانا چاہیے اور سخت بیقراری ظاہر کی کہ ایسے مقبول شخص کی صحبت سے جلدی فائدہ اٹھانا چاہیے، زندگی کا اعتبار نہیں۔ آپؓ کے اصرار پر مَیں تین ماہ کی رخصت لے کر مع اہل و عیال قادیان پہنچا۔ حضرت صاحب کو کمال خوشی ہوئی اور حضورؑ نے اپنے قریب کے مکان میں جگہ دی۔ (ماخوذ از احمدی خواتین کا تعلق باللہ۔ روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 20؍جولائی 2009ء)

☆... حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہؓ (امّ طاہر) کے تعلق باللہ سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ:

زُہد و تقویٰ میں بہت بلند مقام پر فائز تھیں۔ بہت دعا گو، عبادت گزار، قرآن مجید کی عاشق صادق تھیں۔ ظاہری اور باطنی دونوں احترام ملحوظ رکھتیں۔ آنحضرت ﷺ کی جاں نثار، حضرت مسیح موعودؑ کی فدائی تھیں۔ تلاوت اور درود شریف سے خاص شغف تھا۔ نماز بہت اہتمام سے ادا فرماتیں۔ تلاوت قرآن کریم اہل زبان کے تلفظ سے کرتیں۔ جب بھی موقع ملتا حضرت اقدسؑ کی کتب پڑھتیں۔

☆... حضرت سیّدہ اُمّ طاہرؓ کے بارے میں مکرمہ صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ رقمطراز ہیں کہ آپا جان بہت عبادت گزار اور تہجد گزار تھیں۔ آپؓ کی دعاؤں میں بہت درد تھا۔ بعد نماز فجر نہایت خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتیں۔ رمضان شریف میں عبادت کا رنگ قابل رشک تھا۔ کئی شب روزہ دار افراد کو اپنے ہاں رکھتیں۔ موسم گرما کی ایک رات ناقابل فراموش ہے جب آپا جان اور عائشہ پٹھانی اہلیہ مولوی غلام رسول صاحبؓ معمولاً تہجد میں دردبھری دعائیں کر رہی تھیں کہ میں نے دیکھا کہ چندھیا دینے والی روشنی سے ہمارا صحن منور ہو گیا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ یہ لیلۃ القدر کی روشنی ہے۔ میں نے لیٹے لیٹے شور مچا دیا کہ میرے لئے بھی دعا کریں۔ عائشہ پٹھانی نے بعد میں مجھے بتایا کہ یہ روشنی مجھے نظر آئی تھی اور مَیں اس وقت میاں طاہر احمد صاحب کے لئے دعا کر رہی تھی۔ آپا جان کہتی تھیں کہ رشید کے بولنے نے مجھے سب کچھ بھلا دیا اور میں نے اس کے لئے دعا کرنی شروع کر دی۔ میں بھی یہ روشنی دیکھ رہی تھی جو چند سیکنڈ رہی اور مجھے ہنستے ہوئے کہا کہ جب تم نے یہ نظارہ دیکھا تھا تو تم نے خود اٹھ کر دعا کیوں نہ کی؟...

آپا جان کی قبولیت دعا کے بہت سے واقعات ہیں۔ مثلاً ایک خاتون کی شادی پر بارہ سال گزر چکے تھے اور وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھی اور وہ اپنے اس یقین کا اظہار کرتی کہ ''آپ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے گا۔ آپ دعا کرنے کا وعدہ کریں''۔ آپؓ نے وعدہ کر لیا۔ پھر آپ خود بھی دعا کرتیں اور عموماً روزانہ حضورؓ سے بھی کہتیں۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اسے بیٹی عطا کی۔

(ماخوذ از احمدی خواتین کا تعلق باللہ۔ روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 20؍جولائی 2009ء)

☆... حضرت حسین بی بی صاحبہؓ (حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی والدہ) نے عبادات اور زہد و تقویٰ کے باعث اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا اور رؤیا و کشوف کی نعمت سے سرفراز ہوئیں۔ حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ نے قبول احمدیت سے قبل آپ کو رؤیا میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کروادی اور آپ کی قبول احمدیت کی طرف راہنمائی فرمائی۔ چنانچہ آپؓ نے اپنے خاوند سے بھی پہلے ایمان لانے کی توفیق پائی اور بعد میں خلافت ثانیہ کی شناخت بھی بذریعہ رؤیا کی اور اپنے مرحوم خاوند سے پہلے ایمان لانے کی توفیق پائی۔ آپؓ کے بارے میں حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ لکھتے ہیں: ''جب بھی طاعون کا دورہ شروع ہوتا تو والدہ صاحبہ کو قبل از وقت خواب کے ذریعہ اس کی اطلاع دی جاتی اور وہ اُسی وقت سے دعاؤں میں لگ جاتیں اور پھر افاقہ کی صورت ہوتی تو بھی خواب کے ذریعہ انہیں اطلاع دی جاتی۔ اسی طرح ہمارے متعلقین میں خوشی اور غم کے مواقع پر انہیں قبل از وقت خبر دی جاتی۔ سلسلہ کے اور بعض اوقات دنیا کے بڑے بڑے واقعات سے بھی انہیں اطلاع دی جاتی۔ باوا جھنڈا سنگھ صاحب ریٹائرڈ سینئر جج نے میرے پاس بیان کیا کہ جب 1936ء کی گرمیوں میں مَیں شملہ میں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک دن تمہاری والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ قصور میں ہیضہ کی خبر ملنے پر مجھے بہت تشویش تھی اور مَیں بہت دعا کر رہی تھی۔ رات مجھے خواب میں بتایا گیا کہ ایک ہفتہ کے بعد قصور میں ہیضہ کی وارداتیں بند ہو جائیں گی۔ باوا صاحب فرماتے تھے مَیں اخباروں میں دیکھتا رہا اور پورے ایک ہفتہ کے بعد قصور میں ہیضہ کی وارداتیں بند ہو گئیں۔

ان کے خواب روز روشن کی طرح واضح ہوتے تھے جو من و عن پورے بھی ہو جاتے۔ انہوں نے خواب میں اپنے میاں حضرت چوہدری نصر اللہ خانصاحبؓ کو فرماتے ہوئے دیکھا کہ ''میاں مجھے تو جمعہ کے دن چھٹی ہوگی''۔ اس پر والدہ صاحبہ نے مجھ سے فرمایا کہ چھٹی کے لفظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمعہ کا دن شروع ہوتے ہی رخصت ہو جائیں گے اس لئے ڈاکٹر خواہ کچھ کہیں تم ابھی سے انتظام کرلو اور جمعرات کی شام تک تمام تیاری مکمل کرلو تا کہ ان کے رخصت ہوتے ہی ہم انہیں قادیان لے چلیں ... اپنے بہن بھائیوں کو اطلاع کر دو۔ والد کے کفن کی چادریں منگوالو۔ صندوق بھی جمعرات کی شام تک تیار کرنے کی تاکید کر دو۔ موٹریں کرایہ پر لے لو اور انہیں ہدایت دے دو کہ نصف شب کے بعد آجائیں۔ میں نے اُن کی ہدایت کے مطابق سب انتظام کر دیا۔

اُن کا اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق تھا اور ''اِنِّیۡ قَرِیۡبٌ'' کی آوازیں ان کے کان میں آتی تھیں۔

(ماخوذ از احمدی خواتین کا تعلق باللہ۔ روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 20؍جولائی 2009ء)

☆... حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

''احمدی خواتین میں بڑی بڑی اولیاء اللہ پیدا ہوئی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جن کو خدا تعالیٰ الہامات سے نوازتا رہا ہے۔ کشوف عطا فرماتا ہے۔ سچے رؤیا دکھاتا ہے۔ مصیبت کے وقت ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور قبولیت سے متعلق پہلے سے اطلاع دی کہ یہ واقعہ اس طرح ہوگا اور اسی طرح ہوا۔ یہ وہ آخری منزل ہے جس کی طرف ہر احمدی خاتون کو لے کر ہم نے آگے بڑھنا ہے۔ تعلق باللہ کے سوا مذہب کی اَور کوئی جان نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت بھی اللہ سے محبت اور تعلق پیدا کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔'' (جلسہ سالانہ جرمنی 1992ء میں مستورات سے خطاب)

☆... احمدی خواتین کے تعلق باللہ کے اسی مضمون کو حضورؒ نے جلسہ سالانہ برطانیہ 1993ء میں خواتین سے خطاب میں مزید آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اپنے بندوں پر فرشتوں کا نزول کریں گے اور ابتلاؤں کے زمانہ میں استقامت اختیار کرنے کے نتیجہ میں یہ پھل زیادہ عطا کیا جائے گا۔ نزولِ ملائک کی علامات جماعت احمدیہ میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ اور صحابہ کے واقعات کثرت سے جماعت کے لٹریچر میں موجود ہیں۔ یہ واقعات محض ماضی کا اور تاریخ کا حصہ نہیں ہیں بلکہ آج خواتین کے خطاب میں، مَیں صرف خواتین کے تعلق باللہ کے واقعات سناؤں گا۔...''

حضورؒ نے سب سے پہلے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے بعض واقعات سنائے جن میں سے بعض تو وہ تھے جن میں آپؓ نے نہایت کم سنی کی عمر میں تعلق باللہ کا تجربہ حاصل کیا۔ مثلاً ''حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کا وقت قریب ہے اور حضرت مولانا نورالدین جماعت کے پہلے خلیفہ ہوں گے۔''

اس کے بعد حضورؒ نے بعض دیگر بزرگ صحابیات کے رؤیا بیان فرمائے۔ مثلاً حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی کی اہلیہ محترمہ نے اُس زمانہ میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ گھوڑے سے گر گئے تھے اور سخت چوٹیں آئی تھیں اور بظاہر زندگی کی امید نہ تھی۔ رؤیا میں دیکھا کہ وہ سخت گھبراہٹ کے عالم میں بے چین ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ ظاہر ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تین دن بعد یہ واقعہ ہوگا۔ اس سے ان کو گھبراہٹ ہوئی کہ شاید حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی زندگی تین دن باقی رہ گئی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو شفا دی اور تین سال کے بعد آپؓ کی وفات ہوئی۔

(ماخوذ از احمدی خواتین کا تعلق باللہ۔ روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 20 / جولائی 2009ء)

☆... حضرت نواب بی بی صاحبہؓ نے بھی اپنی عبادت اور محبتِ الٰہی سے تعلق باللہ میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ آپؓ نے بھی اپنے خاوند سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی توفیق پائی۔ کچھ عرصہ بیعت کو خفیہ رکھا اور بعد ازاں اپنے خاوند کا شدید تشدّد بھی ایک عرصے تک صبر سے برداشت کیا یہاں تک کہ وہ بھی احمدی ہو گئے۔ جب ابھی آپؓ نے اپنی بیعت ظاہر نہیں کی تھی تو مقامی احمدیہ مسجد کو پختہ کروانے کے لئے چندہ اکٹھا کیا گیا لیکن آپؓ کے پاس پیش کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ اسی اثناء میں آپؓ کے خاوند نے اپنا ایک بَیل بیچ کر معین رقم آپؓ کو رکھنے کے لئے دی تو آپؓ نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس رقم میں سے پانچ روپے مسجد کی تعمیر کے لئے دے دیے۔ چند دن بعد خاوند نے جب رقم مانگی تو آپؓ نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر کے بہت دعا کی کہ مولا! تُو ہی اب میری عزت رکھ سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بشاشت عطا فرما دی تو وہ رقم لا کر اپنے خاوند کو دے دی۔ اُنہوں نے رقم گنی اور جا کر بَیل خرید لیا۔ بَیل کے مالک نے بھی دو افراد سے رقم گنوائی تو پوری نکلی۔

ایک صبح آپؓ نے اپنے بیٹے کو (جو مقامی سکول میں استاد تھے) کہا کہ اپنے بھائی کے گاؤں جلدی جاؤ کیونکہ وہ اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہے اور فرمایا کہ سیدھے وہاں جانا ورنہ تم اپنے بھائی کو نہیں مل سکو گے۔ تاہم بیٹے نے بے دلی سے سائیکل اٹھائی اور پہلے اپنے سکول جا کر رخصت لی اور پھر بھائی کے گاؤں پہنچا تو علم ہوا کہ دس منٹ پہلے اُن کے بھائی کی وفات ہو چکی تھی۔

ایک مرتبہ آپؓ کے بیٹے نے آپ کو نئے کپڑے سلوا کر دیے جو آپؓ نے پہننے کے فوراً بعد اُتار کر کسی غریب عورت کو دے دیے۔ اس پر آپ کا بیٹا سخت ناراض ہوا تو آپؓ افسردہ ہو کر اُسے کہنے لگیں آئندہ کبھی تم مجھے کپڑے نہ لا کر دینا۔ اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی اور ایک آدمی ٹوکری اٹھائے آیا اور کہنے لگا کہ فلاں عورت نے ماں جی کے لئے مٹھائی اور دو سوٹ بھیجے ہیں، وہ آپ سے اولادِ نرینہ کے لئے دعا کرواتی تھی اور آج اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا دیا ہے۔

آپؓ کے ایک بیٹے آدھی رات کو اچانک اتنے بیمار ہوئے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا اور کفن دفن کا انتظام شروع ہو گیا۔ لیکن آپؓ وضو کر کے جائے نماز پر سجدہ ریز ہو گئیں۔ گریہ وزاری اور بے قراری انتہا پر تھی۔ سب لوگ ماں جی کی ضعیف العمری کے باعث پریشان تھے کہ وہ آدھی رات سے سجدہ میں پڑی ہیں، نہ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں اور ایک ہی التجا اپنے ربّ سے کئے جا رہی ہیں کہ اللہ میاں! مجھے میرا پتر (بیٹا) دے دے۔ سہ پہر کو جب دن ڈھلنے لگا تو آپؓ سجدہ سے اُٹھ گئیں اور کہنے لگیں اللہ میاں نے میرا پتّر مجھے واپس کر دیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد بیٹے کو ہوش آ گیا۔ لیکن اُن کا حافظہ ختم ہو چکا تھا۔ چلنا پھرنا تین چار ماہ کے بعد بحال ہونا شروع ہوا اور یادداشت بھی واپس آنے لگی۔ بعد ازاں وہ لمبا عرصہ زندہ رہے، اچھی صحت بھی پائی۔ سکول میں پڑھاتے رہے اور بالآخر ریٹائر ہو کر پنشن بھی لیتے رہے۔

دسمبر کی ایک رات آپؓ نے اُٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور کہا کہ مجھے کسی نے آواز دی ہے۔ پھر بستر پر لیٹ کر بتایا کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے۔ فجر کی اذان شروع ہوئی تو آپؓ کی روح پرواز کر گئی۔

(حضرت نواب بی بی صاحبہؓ از حمید اللہ ظفر۔ مطبوعہ روزنامہ الفضل ربوہ 27 فروری 2012ء)

حرفِ آخر... ایک قیمتی نصیحت

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''احمدیت کو ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا ہے اس کے لئے ہمیں بہت زادِ راہ کی ضرورت ہے اور سب سے اچھا زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اپنے تقویٰ کی حفاظت کریں ...۔ اصل زندگی وہ ہے جس میں خدا کی طرف سے ہم کلام ہونے والے فرشتے نازل ہوں اور وہ کہیں کہ کوئی غم اور فکر نہ کرو۔ یہ خدا کی طرف سے مہمانی ہے۔ ہم اِس دنیا میں بھی ساتھ ہیں اُس دنیا میں بھی ساتھ ہوں گے۔ ہم نے اتنا متقی بننا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو رؤیا و کشوف کثرت سے ہوں۔ ہم اللہ سے ہم کلامی پائیں اور خدا کے قرب کے نظارے دیکھیں۔ ایک ایسی احمدی نسل اگر آج پیدا ہو جائے تو آنے والے 100 سال کی حفاظت کی ضمانت حاصل ہو جائے گی۔... نسلاً بعد نسلٍ تعلق باللہ کی حفاظت کریں۔ یہ مذہب کی جان ہے۔''

(جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ جرمنی 1992ء کے دوسرے روز مستورات سے ارشاد فرمودہ خطاب)

تذکرۂ مہدی۔روایاتِ محمودؓ کی روشنی میں

(پانچویں قسط)

(حبیب الرحمٰن زیروی)

دادا کے دربار میں پانچ سو حفاظ

حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دادا مرزا گل محمد صاحب کے متعلق بیان فرمایا کرتے تھے کہ ان کے دربار میں پانچ سو حافظ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی وغیرہ ہر قسم کے پیشہ کے لوگ جوان کے دربار میں تھے ان میں سے ایک کثیر حصہ نے قرآن کریم کو حفظ کیاہوا تھا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت سخت کمزور ہے اور وہ تنزل کے دَور سے گذر رہے ہیں مگر اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ لاکھوں لاکھ حفاظ ہندوستان میں سے ہی نکل سکتے ہیں۔ غرض دوسرا ذریعہ قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ حفاظ وقراء کی کثرت پیدا کر دی اور یہ چیز بھی ایسی ہے جو کسی کے بس کی نہیں۔ غرض قرآن کریم کی حفاظت کا ایک سامان خدا تعالیٰ نے یہ کیا کہ دلوں میں اس کے حفظ کی رغبت پیدا کر دی اور اس طرح لاکھوں لوگوں کے سینوں میں اس کا ایک ایک لفظ بلکہ زیر اور زبر تک محفوظ کر دی۔ (تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ 425-424)

خاندان کے اعزازات

ہمارے پاس وہ کاغذات موجود ہیں جن میں گورنمنٹ نے ہمارے خاندان کی خدمات کا اعتراف کیا اور یہ وعدہ کیاہوا ہے کہ اس خاندان کو وہی اعزاز دیا جائے گا جو اسے پہلے حاصل تھا۔ ہمارے پڑ دادا کو ہفت ہزاری کا درجہ ملاہوا تھا جو مغلیہ سلطنت میں صرف شہزادوں کو ملا کرتا تھا۔ پھر عضد الدولہ کا خطاب حاصل تھا۔ یعنی حکومت مغلیہ کا بازو مگر ہم نے کبھی گورنمنٹ کے سامنے ان کاغذات کو پیش نہیں کیا۔ (الفضل 23 اکتوبر 1934ء جلد 22 نمبر 50 صفحہ 3)

حکومت کی طرف سے اعزاز دینے کی پیشکش

حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کہا گیا اور دو دفعہ مجھے بھی کہلایا گیا کہ کیا حکومت اگر کوئی خطاب دے تو اسے قبول کرلیا جائے گا۔ میں نے کہا اگر حکومت ایسا کرے گی تو وہ میری ہتک کرے گی۔ ہمیں خدا تعالیٰ سے جو کچھ مل چکا ہے اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے اور اس سے بڑھ کر حکومت کیا دے سکتی ہے۔ اپنے متعلق خطاب کا ذکر تو الگ رہا، اگر جماعت احمدیہ کا کوئی شخص بھی خطاب کے متعلق کچھ پوچھتا ہے تو میں اسے یہی کہتا ہوں کہ مجھے تو انسانی خطاب سے گھن آتی ہے۔ احمدی کہلانے سے بڑا خطاب اور کیا ہوسکتا ہے۔ (انوار العلوم جلد 13 صفحہ 512)

خاندان کی جنگی تاریخ

ہمارے خاندان کی تاریخ جنگی تاریخ ہے اور اب بھی ہمارا فوج کے ساتھ تعلق ہے۔ میں نے خود مرزا شریف احمد صاحب کو فوج میں داخل کرایا ہے اور اب ان کا لڑکا فوج میں شامل ہو رہا ہے۔ ہمارے تایا صاحب نے غدر کے موقعہ پر جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ ہمارے دادا فوجی جرنیل تھے۔ دلّی کے بادشاہوں کی چٹھیاں ہمارے پاس محفوظ ہیں جن میں اس امر کا اعتراف ہے کہ ہمارا خاندان ہی تھا جس نے سکھوں کے زمانہ میں اسلام کی حفاظت کے لئے قربانیاں کیں۔‘‘

(الفضل 30 جولائی 1937ء جلد 25 نمبر 175 صفحہ 8)

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت

1889ء میں پیدا ہوا۔ 1898ء میں مَیں نے حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گو بوجہ احمدیت کی پیدائش کے میں پیدائش سے ہی احمدی تھا مگر یہ بیعت گویا میرے احساس قلبی کے دریا کے اندر حرکت پیدا ہونے کی علامت تھی۔ (یادِ ایام، انوار العلوم جلد 8 صفحہ 365)

دعاؤں کی عادت

خدا کا فرستادہ مسیح موعودعلیہ السلام جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ اُجِيبُ كُلَّ دُعَائِكَ اِلَّافِي شُرَكَائِكَ۔ جس سے وعدہ تھا کہ میں تیری سب دعائیں قبول کروں گا، سوائے ان کے جو شرکاء کے متعلق ہوں۔ وہ ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کے موقع پر مجھے جس کی عمر صرف 9 سال کی تھی دعا کے لئے کہتا ہے۔ گھر کے نوکروں اور نوکرانیوں کو کہتا ہے کہ دعائیں کرو۔ پس جب وہ شخص جس کی سب دعائیں قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیاہوا تھا، دوسروں سے دعائیں کرانا ضروری سمجھتا ہے اور اس میں اپنی ہتک نہیں سمجھتا تو ایک ڈاکٹر کا دوسرے ڈاکٹر سے مشورہ کرنا کس طرح ہتک کا موجب ہوسکتا ہے۔ پس دیانت، ایمان اور دین کے لحاظ سے ایک معالج کا فرض ہے کہ جب حالت خطرناک دیکھے تو مشورہ دے کہ کسی اور کو بلا لیا جائے۔ (خطبات محمود جلد 14 صفحہ 132-131)

مرزا علی شیر صاحب کی سخت مخالفت

جب سے جماعت احمدیہ قائم ہوئی ہے خدا تعالیٰ ہی اس کی حفاظت کرتا رہا ہے۔ اس وقت تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ دونوں کا ماہوار چندہ پچاسی ہزار روپیہ کے لگ بھگ ہے۔ لیکن شروع میں اتنا چندہ سال میں بھی جمع نہیں ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا علم ہوا کہ لنگر خانہ کا خرچ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تک پہنچ گیا ہے تو آپؑ بہت گھبرائے کہ یہ رقم کہاں سے آئے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جماعت کی آمد میں دن بدن ترقی عطا کرتا چلا گیا۔ صرف میری خلافت کے شروع زمانہ میں سلسلہ پر مالی لحاظ سے ایک نازک دور آیا۔ جب میں خلیفہ ہوا تو خزانہ میں صرف آنے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے چندوں میں ترقی ہوتی چلی گئی اور ہر سال پہلے سال سے زیادہ چندہ جمع ہوتا رہا اور اب بنکوں اور جماعت کے اپنے خزانہ میں جو روپیہ اس وقت جمع ہے۔ وہ دس لاکھ سے اوپر ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ خدا تعالیٰ کا حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ تھا کہ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء یعنی تیری مدد ایسے لوگ کریں گے جنہیں ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ سو خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا ہے، ورنہ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ سلسلہ

زیادہ دیر تک نہیں چلے گا۔ یہ چند دن کا کھیل ہے جو ختم ہو جائے گا۔ کل ہی ایک شخص مجھے ملنے کے لیے آیا۔ جب اس نے اپنا وطن بتایا تو مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ضلع گجرات کے ایک گاؤں چک سکندر کے بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قادیان آیا کرتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے قد تھے۔ اس زمانہ میں ابھی بہشتی مقبرہ نہیں بنا تھا اور لوگ تبرک کے طور پر باغ اور مساجد دیکھنے چلے جایا کرتے تھے۔ وہ بھی باغ دیکھنے کے لئے اس سڑک پر جا رہے تھے جو بہشتی مقبرہ کو جاتی ہے۔ اس زمانہ میں اس سڑک پر پختہ پل نہیں بنا تھا۔ حضرت نانا جان نے لوہے کی ریلیں ڈال کر اس جگہ پار گزرنے کے لئے راستہ بنایا ہوا تھا۔ اس پل کے قریب ہماری سوتیلی والدہ کے بھائی مرزا علی شیر صاحب باغ لگایا کرتے تھے۔ وہ مذہبی قسم کے آدمی تھے اور حضرت مسیح موعودؑ کے شدید مخالف تھے۔ ممکن ہے ان کی مخالفت کا یہ سبب ہو کہ آپ ان کی بہن پر سوکن لے آئے تھے لیکن بہرحال وہ آپؑ کے بڑے سخت مخالف تھے انہوں نے چک سکندر کے ان لوگوں کو باغ کی طرف جاتے دیکھا تو انہیں آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ ان کے آواز دینے پر ان میں سے ایک آدمی جو باقی ساتھیوں سے کچھ فاصلہ پر تھا یہ سمجھ کر کہ یہ بڑے بزرگ ہیں ان کی بات سُن لی جائے ان کے پاس گیا۔ مرزا علی شیر صاحب نے اس سے کہا میاں تم کہاں سے آئے ہو اور کس لئے آئے ہو۔ اس شخص نے جواب دیا ہم گجرات سے آئے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ اس پر مرزا علی شیر صاحب نے کہا میاں مرزا غلام احمد میرا بھائی ہے اور اس کا واقف جتنا مَیں ہوں تم نہیں ہو اور مَیں جانتا ہوں کہ اس نے محض دکان بنائی ہوئی ہے، تم کیوں یہاں اپنا دین خراب کرنے آ گئے ہو۔ اس پر اس شخص نے مرزا علی شیر صاحب کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور مرزا صاحب نے یہ سمجھ کر کہ یہ شخص ان کی باتوں سے متاثر ہو گیا ہے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس شخص نے ان کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو آواز دی کہ جلدی آؤ جلدی آؤ۔ جب وہ آ گئے تو اس نے کہا مَیں نے آپ لوگوں کو اس لئے بلایا ہے کہ ہم قرآن کریم میں پڑھا کرتے تھے کہ کوئی شیطان ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے لیکن ہم نے وہ دیکھا نہیں تھا۔ اب وہ شیطان مجھے مل گیا ہے اور اسے مَیں نے پکڑ رکھا ہے اسے اچھی طرح دیکھ لو۔ مرزا علی شیر صاحب بہت گھبرائے لیکن اس شخص نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے رکھا اور کہا ہمیں شیطان دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی۔ سو الحمدللہ کہ آج ہم نے شیطان دیکھ لیا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق غیر تو کیا اپنے قریبی رشتہ دار بھی یہی کہتے تھے کہ انہوں نے ایک دکان کھولی ہوئی ہے اور وہ آپؑ کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے ہماری سوتیلی والدہ ہم سے بہت محبت کیا کرتی تھیں اور باوجود اس کے کہ ہم ان کی سوکن کی اولاد تھے وہ ہمارے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کرتی تھیں۔ ان کی والدہ بھی جو ہماری دادی صاحبہ کے علاقہ کی تھیں ہم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ جب ہمارے رشتہ دار مرزا امام دین صاحب اور ان کے لڑکے اور لڑکیاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دیتے تھے تو چونکہ وہ بہت اونچا سنتی تھیں اس لئے دریافت کرتی تھیں کہ یہ لوگ کس کو گالیاں دے رہے ہیں۔ اس پر جب انہیں بتایا جاتا کہ یہ مرزا غلام احمدؑ کو گالیاں دے رہے ہیں تو وہ رو پڑتیں اور کہتیں، ہائے یہ لوگ میری چراغ بی بی کے بیٹے کو گالیاں دیتے ہیں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے رشتہ دار بھی سمجھتے تھے کہ یہ ایک کھیل ہے جو کھیلا جارہا ہے اور لوگ انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لدھیانہ کے ایک نور محمد صاحب تھے جنہیں یہ خیال تھا کہ وہ مصلح موعود ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہتے تھے کہ چونکہ وہ میرے روحانی باپ ہیں اس لیے جب میں اپنے روحانی باپ کے پاس جاؤں گا تو پونڈ اُن کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کروں گا۔ اس غرض سے وہ روپیہ جمع کرتے رہتے تھے۔ جب ان کے مرید ان سے سوال کرتے کہ وہ اپنے روحانی باپ کے پاس کب جائیں گے تو انہیں کہتے۔ جب مَیں جاؤں گا تو تمہیں بتا دوں گا۔ جب انہوں نے اس میں زیادہ دیر لگا دی تو ان کے مریدوں نے کہا کہ آپ اگر نہیں جاتے تو ہمیں جانے کی اجازت دے دیں۔ اس پر انہوں نے بعض مریدوں کو اس شرط سے قادیان آنے کی اجازت دی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سونا پیش کریں گے۔ چنانچہ وہ قادیان آئے مرزا امام دین صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی تھے وہ چوہڑوں کے پیر بنے ہوئے تھے اور اپنے آپ کو ان کے بزرگوں کا اوتار قرار دیتے اور کہتے کہ چوہڑوں کا لال بیگ میں ہوں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ادنیٰ اقوام کے بعض لوگ آئے ہیں تو انہوں نے انہیں بُلایا اور ان کے آگے حُقّہ رکھ دیا اور پوچھا کہ تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو ملنے کے لیے آئے ہیں اس پر مرزا امام دین صاحب نے کہا چوہڑوں کا لال بیگ تو میں ہوں، تم مرزا غلام احمدؑ کے پاس کیوں چلے گئے؟ وہ تو ٹھگ ہے اور اس نے یونہی دکان بنائی ہوئی ہے، تمہیں وہاں سے کیا ملا ہے؟ وہ لوگ اَن پڑھ تھے لیکن تھے حاضر جواب۔ انہوں نے جواب دیا۔ مرزا صاحب! ہم ادنیٰ اقوام سے تعلق رکھتے تھے، مرزا غلام احمدؑ صاحب پر ایمان لائے تو لوگ ہمیں مرزائی مرزائی کہنے لگ گئے۔ آپ مغل تھے اور ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکار کی وجہ سے آپ چوہڑے کہلانے لگ گئے۔ اس پر وہ گھبرا کر خاموش ہو گئے۔

غرض غیر تو غیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے قریبی رشتہ دار بھی یہ سمجھتے تھے کہ سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ یہ محض دکانداری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بڑھایا اور دنیا کے کونہ کونہ میں اس کے پودے لگا دیے۔

مَیں نے بتایا ہے کہ مرزا امام دین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت مخالف تھے لیکن جیسے اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے ہاں عکرمہؓ جیسا بزرگ بیٹا پیدا کر دیا تھا اسی طرح مرزا امام دین صاحب کی لڑکی خورشید بیگم جو ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب سے بیاہی ہوئی تھیں بڑی نیک اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلسلہ احمدیہ کی سچی عاشق تھیں۔ انہوں نے اپنی وفات تک ایسا اخلاص دکھایا کہ حیرت آتی ہے۔

(الفضل 30 مئی 1959ء جلد 48/13 نمبر 127 صفحہ 3,2)

مرزا امام دین صاحب کی مخالفت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن آپ پر وہی اعتراض کرتے ہیں جو رسول کریم ﷺ پر آپ کے دشمنوں نے کیے اور ان میں اتنی مطابقت اور مشابہت ہوتی ہے کہ حیرت آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن

جب آپؑ پر اعتراض کرتے تو آپ فرماتے یہی اعتراض آج سے 1300 سال پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپؐ کے مخالفین نے کیے تھے۔ جب وہ باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قابلِ اعتراض نہ تھیں بلکہ آپ کی صداقت کی دلیل تھیں تو وہ میرے لئے کیوں قابلِ اعتراض بن گئی ہیں۔ پس جو جواب رسول کریم ﷺ نے اِن کا دیا وہی جواب میں تمہیں دیتا ہوں۔ جب حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں یہ طریق اختیار فرماتے اور لوگوں پر اِس طریق سے حجّت قائم کرتے تو مخالفین شور مچاتے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابری کرتا ہے حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ جو اعتراض ابوجہل کرتا تھا جو شخص ان اعتراضوں کو دُہراتا ہے وہ مثیلِ ابوجہل ہے اور جس شخص پر وہ اعتراض کیے جاتے ہیں وہ مثیلِ محمد (ﷺ) ہے۔ پس ہر زمانہ میں مؤمنوں اور کافروں کی پہلے مومنوں اور کافروں سے مشابہت ہوتی چلی آئی ہے لیکن دنیا ہمیشہ اِس بات کو بھول جاتی ہے اور جب کبھی نیا دَور آتا ہے تو نئے سرے سے لوگوں کو یہ سبق دینا پڑتا ہے اور اِس اصول کو دنیا کے سامنے دُہرانا پڑتا ہے اور خدا کی طرف سے آنے والا لوگوں کے اِس اصول کو بھول جانے کی وجہ سے لوگوں سے گالیاں سنتا ہے اور ذلتیں برداشت کرتا ہے۔ اس کے اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب مخالف ہو جاتے ہیں اور قریبی رشتہ دار سب سے بڑے دشمن بن جاتے ہیں۔

حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم ﷺ کے رشتہ دار پاس کے مکانوں میں نئے آنے والوں کو روکنے کے لیے بیٹھے رہتے تھے اور جب کوئی شخص مسلمانوں کے پاس آتا تو وہ رستہ میں اُسے روک لیتے اور سمجھاتے کہ یہ شخص ہمارے رشتہ داروں میں سے ہے، ہم اس کے قریبی رشتہ دار ہونے کے باوجود اِس کو نہیں مانتے کیونکہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ سوائے جھوٹ کے اور کوئی بات نہیں۔ ہم آپ لوگوں سے اِس کو زیادہ جانتے ہیں، ہم سے زیادہ آپ کو واقفیت نہیں ہوسکتی، ہم اِس کے ہر ایک راز سے واقف ہیں بہتر ہے کہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں اسی میں آپ کا فائدہ ہے۔ یہی حال ہم نے اُن کا دیکھا جو حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار تھے۔ اُن کی باتوں کو سن کر جو وہ حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کیا کرتے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر جو وہ باہر سے آنے والوں کو روکنے کے لیے کرتے انسان حیرت زدہ ہوجاتا ہے کہ ان کی باتوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کی باتوں میں کس قدر مشابہت ہے۔

مرزا امام الدین سارا دن اپنے مکان کے سامنے بیٹھے رہتے۔ دن رات بھنگ گھٹا کرتی اور کچھ وظائف بھی ہوتے رہتے۔ حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر انہوں نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر لیا تھا۔ جب کوئی نیا احمدی باہر سے آتا یا کوئی ایسا آدمی جو احمدی تو نہ ہوتا لیکن تحقیق کے لئے قادیان آتا تو اُس کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیتے اور اُسے سمجھانا شروع کر دیتے۔ میاں! تم کہاں اِس کے دھوکے میں آ گئے یہ تو محض فریب اور دھوکا ہے اگر حق ہوتا تو ہم لوگ جو کہ بہت قریبی رشتہ دار ہیں کیوں پیچھے رہتے۔ ہمارا اور مرزا صاحب کا خون ایک ہے تم خود سوچو بھلا خون بھی کبھی دشمن ہوسکتا ہے؟ اگر ہم لوگ انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص صحیح راستے سے لوگوں کو پھیرنے والا ہے اور اس نے لوگوں سے پیسے بٹورنے کیلئے یہ دکان کھول رکھی ہے۔ اب حیرت آتی ہے کہ کونسا ابوجہل آیا جس نے مرزا امام الدین کو یہ باتیں سکھائیں کہ تم باہر سے آنے والوں کو اس طریق سے روکا کرو یہ نسخہ میرا آزمایا ہوا ہے۔ یا پھر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی باتیں مسمریزم کے ذریعہ مرزا امام الدین سے کہلوا لیں، دونوں میں سے ایک بات ضرور صحیح ہوگی۔

(نبوت اور خلافت اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔انوار العلوم جلد 18 صفحہ 234 تا 239)

جماعت احمدیہ لاہور کا اخلاص

ہماری جماعت کے دوستوں کو یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ احمدیت کو قائم ہوئے ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے۔ اگر براہین احمدیہ سے اس زمانہ کو لیا جائے تو 70-71 سال ہو گئے ہیں اور اگر بیعت کے آغاز سے اس زمانہ کو شمار کیا جائے تو پھر 65 سال ہو گئے ہیں اور یہ ایک بہت بڑا وقت ہے اور گو قوموں کی عمر کے لحاظ سے اتنے سال کوئی زیادہ لمبا زمانہ نہیں سمجھے جا سکتے۔ لیکن انسانوں کی عمر میں یہ ایک بہت بڑا وقت ہے۔ اس تمام عرصہ میں ابتدائے زمانہ سے ہی لاہور کا ایک حصہ احمدیت کے ساتھ شامل رہا ہے۔ ہم چھوٹے ہوتے تھے جب حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفروں میں ہم آتے جاتے تھے۔ اس وقت عموماً جب آپؑ کو رستہ میں ٹھہرنا پڑتا تو لاہور یا امرتسر میں ہی ٹھہرتے۔ یوں ابتدائی زمانہ میں آپؑ کا قیام زیادہ تر لدھیانہ میں رہا ہے۔ لیکن جماعت کے لحاظ سے لاہور کی جماعت ہمیشہ زیادہ رہی ہے اور دوسری جماعتوں کی نسبت زیادہ مستعد رہی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد صاحب کے زمانہ میں مقدمات کے لیے اکثر لاہور آتے تھے اور آپؑ کے والد صاحب کے تعلقات بھی زیادہ تر لاہور کے رؤساء سے تھے۔ اس لئے ابتدائی ایام میں ہی یہاں ایک ایسی جماعت پائی جاتی تھی جو حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخلاص رکھتی تھی۔ الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ، جو بعد میں شدید مخالف ہو گئے، وہ بھی یہیں کے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بعد میں کفر کا فتویٰ لگانے والوں کے سردار بنے وہ بھی یہیں چینیاں والی مسجد کے امام تھے اور ان کا زیادہ تر اثر اور رسوخ لاہور ہی میں تھا گو وہ رہنے والے بٹالہ کے تھے۔ اسی طرح میاں چراغ دین، میاں معراج دین صاحب اور میاں تاج دین صاحب سے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے بہت پرانے تعلقات تھے۔ میاں چراغ دین صاحب اور میاں معراج دین صاحب کا خاندان اپنے پرانے تعلقات کی وجہ سے جو بیعت سے بھی پہلے کے تھے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ میں بہت قربت رکھتا تھا۔ پھر حکیم محمد حسین صاحب قریشی جنہوں نے دہلی دروازہ والی مسجد بنوائی ان کے تعلقات بھی حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت قدیم اور مخلصانہ تھے۔ میاں چراغ دین صاحب مرحوم کے تعلقات تو الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ سے بھی پہلے کے تھے۔ حتیٰ کہ میرے عقیقہ میں جن دوستوں کو شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی ان میں چراغ دین صاحب بھی تھے۔ اتفاقاً اس دن سخت بارش ہوگئی۔ وہ سناتے تھے کہ ہم باغ تک پہنچے مگر آگے پانی ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے اور وہیں سے ہمیں واپس لوٹنا پڑا۔ پس اس جگہ کی جماعت کی بنیاد ایسے لوگوں سے پڑی جو حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس وقت سے اخلاص رکھتے تھے جب آپؑ نے ابھی دعویٰ بھی نہیں کیا تھا اور براہین لکھی جا رہی تھی۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کے خاندانوں کو ترقی دی اور وہ اخلاص میں بڑھتے چلے گئے۔ (تاریخ احمدیت لاہور صفحہ 17-18)

ایک عظیم الشان گواہ

(احسان احمد خان)

قرآن مجید کی سورۃ ہود کی آیت 17 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَفَمَن كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى إِمَاماً وَرَحْمَةً أُولَـئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلاَ تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يُؤْمِنُونَ﴾

ترجمہ: پس کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے اور اسکے پیچھے اس کا ایک گواہ آنے والا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بطور امام اور رحمت موجود ہے (وہ جھوٹا ہوسکتا ہے؟) یہی (اِس موعود رسول کے مخاطبین بالآخر) اسے مان لیں گے۔ پس جو بھی احزاب میں سے اس کا انکار کرے گا تو آگ اس کا موعود ٹھکانہ ہوگی۔ پس اس بارہ میں تو کسی شک میں نہ رہ۔ یقیناً یہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (ترجمہ از حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ)

اس آیت کریمہ میں جہاں گواہ کا ذکر ہے وہاں یہ چیز انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ وہ عظیم ہستی جس کے انسانِ کامل خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونے کی گواہی آسمان سے ملائکہ اور زمین پر بسنے والے ہر اُس نیک بشر نے دی جس تک آپؐ کا سلوک اور تعلیم پہنچی۔ وہ جو خود تمام انبیاء کی سچائی پر گواہ ٹھہرا اور جس کی مہر نبوت سے ہر نبی اور رسول نے تصدیق پائی۔ جب اُس کے بارے میں عالم الغیب خدا نے فرمایا کہ اس پر ایک گواہ آنے والا ہے تو عقل محوِ حیرت ہوجاتی ہے کہ یہ کون سا گواہ ہے اور کس چیز کی یہ گواہی دے گا اور خاص کر اس گواہ کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ ذکر کرنا کہ ''اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بطور امام اور رحمت موجود ہے۔''

بہر حال خدا تعالیٰ کی ہر بات میں خاص حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور یہاں بھی اگر گواہ کے بعد موسیٰ کی کتاب کا ذکر بطور امام اور رحمت کے آیا ہے تو یہ امر بھی یقیناً کسی بہت بڑی حکمت سے خالی نہیں۔ اس میں جو بات زیادہ غور طلب ہے وہ یہ کہ آنحضور ﷺ کے بابرکت نزول سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بطور نبی اور رسول کے گزر رہا تھا اور انجیل مقدس بھی موجود تھی۔ پھر ایسا کیا معاملہ تھا کہ قرآن نے ان کے ذکر کو یکسر فراموش کر دیا اور گواہ کے ذکر کے بعد آنحضور ﷺ سے پہلے موسیٰ کی کتاب کو بطور امام اور رحمت موجود قرار دیا۔ جبکہ سورہ آل عمران کی آیات 4-5 میں تورات اور انجیل کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے: اُس نے تجھ پر یہ کتاب حق پر مشتمل اتاری ہے جو اُس (وحی) کو جو اس (کتاب) سے پہلے (آئی) تھی پورا کرنے والی ہے اور اُس نے لوگوں کو ہدایت دینے کے لئے اس سے پہلے تورات اور انجیل کو نازل کیا تھا اور (نیز) اُس نے فیصلہ کن نشان نازل کیا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے نشانات کا انکار کیا ہے ان کے لئے یقیناً سخت عذاب (مقدر) ہے اور اللہ غالب (اور) سزا دینے والا ہے۔

لیکن سورۃ ہود میں جب صرف تورات کا ذکر آتا ہے اور وہ بھی بطور امام کے تو ایک بات واضح ہوجاتی ہے کہ گواہ کے بعد موسیٰ کی کتاب کا ذکر یقیناً اپنے اندر ایک بہت بڑی حکمت لیے ہوئے ہے۔ اس حکمت کی تلاش سے پہلے، جو گواہ کے ساتھ موسیٰ کی کتاب کا ذکر کرنے میں ہے، آیئے اس گواہ کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کا مقام، اس کی گواہی کی نوعیت اور اس کا زمانہ کون سا ہوسکتا ہے اور کیا اس گواہ کا ذکر قرآن میں کسی اور جگہ پر بھی موجود ہے۔

اس ضمن میں ایک بات طے شدہ ہے کہ اس گواہ کا تعلق آئندہ زمانے سے ہے کیونکہ آنحضور ﷺ کے زمانے میں صحابہؓ، ملائکہ اور خود قرآن آپؐ پر گواہ تھے۔ چنانچہ گواہ کے بارے میں واضح اشارہ ہمیں قرآن مجید کی سورۃ الزخرف کی آیت 64 میں ملتا ہے: ﴿وَلَمَّا جَاء عِيسَى بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾

ترجمہ: اور جب عیسیٰ کھلے کھلے نشانات کے ساتھ آ گیا تو اُس نے کہا یقیناً میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے سامنے بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو کھول کر بیان کروں۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ (ترجمہ از حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ)

اس سورت میں آیات نمبر 58 تا 64 کا تعلق پیش گوئی سے ہے۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیرِ صغیر میں اس آیت کا ترجمہ ''آئے گا'' لکھتے ہوئے حاشیہ میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ''کئی جگہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ ماضی بمعنے مضارع بھی آتا ہے۔'' (دیکھو فقہ اللغۃ ثعلبی 215)

حضرت خلیفہ ثانیؓ کی اسی بات کی تائید میں تورات کا ایک حوالہ بھی پیشِ خدمت ہے جس میں آنحضورؐ کی فتح مکہ کی پیشگوئی موجود ہے۔

''اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اُس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنی ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔'' (3۔استثناء باب 33 آیت 1-2)

اب یہاں تک اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ یہ گواہ وہی ہے جس کو قرآن مجید میں عیسیٰ ابن مریم کی دوبارہ بعثت کہا گیا ہے۔ لیکن اس گواہ نے آنحضور ﷺ کی کس چیز کی گواہی کے لئے آنا تھا؟ دراصل مسلمان اقوام پر ایک وقت آنا تھا جب دنیا میں ہر طرف سے ناکامی، نامرادی اور ذلت ان کا مقدر ہو جانا تھا۔ اسلام اور اُس کی تعلیمات کا وجود صرف نام کی حد تک رہ جانا تھا۔ غیر اقوام میں اسلام اور قرآن کی عظمت کو روشناس کرانا تو دور کی بات الٹا ان اقوام کے بد رسوم ورواج اور بدعات نے ہر اسلامی قدر کی جگہ لے لینی تھی۔ ایسے میں خدا کی تقدیر نے ظاہر ہونا تھا اور اپنے پیارے نبی کی عظمت اور اُس کی تعلیم کو ایک بار پھر پوری دنیا میں ایک جری مرد کے ذریعے پھیلانا تھا۔ یہی وہ گواہ تھا جس نے آکر زمانے کو یہ باور کرانا تھا کہ اُس عظیم نبی کی شان آج بھی بلند ہے اور اُس کی تعلیمات کا قیامت تک کوئی مدِ مقابل نہیں ہے۔ یہی وہ وجود ہے جس نے پرچمِ اسلام کو ایک بار پھر دنیا پر لہرا کر حضرت محمد ﷺ کے نام کو بلند کرنا تھا اور اُس کی عظمت کی گواہی دینا تھی۔

جیسا کہ مضمون میں گواہ کے مقام اور اُس کی گواہی کی نوعیت اور اہمیت کا ذکر

ہو چکا ہے تو ذہن میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ کیا قرآن میں اس گواہ کے آنے کا کوئی وقت بھی مقرر ہے تو اس کے متعلق ایک واضح اشارہ ہمیں سورہ جمعہ کی آیت 4 میں ملتا ہے: ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اور انہی میں سے دوسروں کی طرف بھی (اسے مبعوث کیا ہے) جو ابھی اُن سے نہیں ملے۔ وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔ (ترجمہ از حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ)

اس آیت کی وضاحت میں حضورؐ کی حدیث موجود ہے جس میں آخرین کے حوالے سے حضرت سلمان فارسیؓ کا ذکر ہے اور زمانے کے لحاظ سے جب ایمان ثریا پر چلا جائے گا۔

ہماری مذہبی تاریخ میں جب بھی کسی آنے والے کا ذکر ملتا ہے تو جہاں مختلف قسم کے زمینی اور آسمانی نشانوں کا ذکر ملتا ہے وہیں پر وقت اور زمانے کا تخمینہ لگانے کے لئے اعداد و شمار سے بھی مدد لی گئی ہے۔ ان اعداد و شمار کا ذکر قرآن، حدیث، مورخین اور بزرگوں کی کتابوں میں مختلف رنگ میں ملتا ہے۔

سورہ ہود کی آیتِ مبارکہ میں گواہ کے ذکر کے بعد کتابِ موسیٰ کے ساتھ لفظ ''بطور امام'' ہمیں ان اعداد و شمار سے کام لینے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ گو کہ لفظ امام کے بہت سے معنے اور مطالب ہیں لیکن اس آیت میں جہاں گواہ کے مقام، اُس کی حیثیت اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے وہیں پر یہ آیت خود بھی اُس گواہ کے حق میں موسیٰؑ کی کتاب کا ذکر کر کے اُس کی آمد کا وقت بتا رہی ہے اور یوں اُس گواہ کے حق میں بھی گواہی دے رہی ہے۔

چونکہ قرآن مجید میں اس آنے والے کو عیسیٰ ابن مریم سے مشابہت دی ہے لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کا کون سا زمانہ تھا۔ لیکن اس سے قبل ہمیں حضرت موسیٰ کی تاریخ پیدائش اور وفات کو ایک نظر دیکھنا ہوگا۔

Mattis Cantor نے Timeline of Jewish History میں حضرت موسیٰ کی پیدائش 1393 قبل مسیح اور وفات 1273 قبل مسیح لکھی ہے۔

Encyclopaedia of World Biography میں حضرت موسیٰ کی پیدائش 1392 قبل مسیح جبکہ وفات 1272 قبل مسیح۔ اسی طرح Rabbinical Judaism کے مطابق حضرت موسیٰ کی پیدائش 1391 قبل مسیح اور وفات 1271 قبل مسیح۔

لیکن چونکہ Mattis Cantor نے مکمل شجرہ نسب جو کہ حضرت آدمؑ 3760 قبل مسیح سے پیش کیا ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ 1813 قبل مسیح سمیت تمام انبیاء کے زمانوں کی تاریخ کو ایک تسلسل کے ساتھ درج کیا ہے۔ اس لئے اس کے حوالے کو زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ پیدائش کو Wikipedia میں مختلف تاریخوں میں درج کیا گیا ہے یعنی 6 قبل مسیح اور 4 قبل مسیح جبکہ Gospal Evidance کے مطابق یہ 1 قبل مسیح ہے۔ لیکن یہاں پر بھی مورخین نے 4 قبل مسیح کی تاریخ کو زیادہ مستند سمجھا ہے۔ اس لحاظ سے اگر ہم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی درمیانی مدت کو Calculate کرنا چاہیں تو ہمیں 1273 میں سے 4 کو منہا کرنا ہوگا۔ گویا حضرت موسیٰؑ کے 1269 سال بعد مسیح ناصری کا ظہور ہوا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ مسیح محمدیؑ کا ظہور اپنے پیشوا سے کتنے عرصہ بعد ہوا۔

سیرت خاتم النبیین میں حضرت مرزا بشیر احمدؓ نے نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کی دو تاریخیں درج کی ہیں۔ ایک واقعہ اصحاب الفیل کے 25 روز کے بعد 12 ربیع الاول مطابق 20 اگست 570ء اور دوسری غالباً کسی تحقیق کی رُو سے 9 ربیع الاول مطابق 20 اپریل 571ء۔ جبکہ آپؐ کی وفات کی تاریخ مکرم ہادی علی چوہدری صاحب نے سیرت خاتم النبیین کے حصہ ''7 ہجری سے وصال نبوی تک'' میں 26 مئی 632ء لکھی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ 13 رفروری 1835ء بمطابق 1250 ہجری سال میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات 26 رمئی 1908ء کو ہوئی۔ گویا مسیح محمدیؑ کا ظہور آنحضرت ﷺ کے 1203 عیسوی سال کے بعد ہوا اور اس طرح آنحضور ﷺ کی یہ پیشگوئی اپنی پوری شان سے پوری ہوئی: اَلْآيَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ (مشکوٰۃ مجتبائی 271)۔ کہ مسیح و مہدی کے ظہور کی نشانیاں بارھویں صدی کے گزرنے پر ہوں گی۔

لیکن سورہ ہود کی آیت نمبر 17 میں درج گواہ کے بعد موسیٰؑ کی کتاب بطور امام کے حوالہ سے جو پیشگوئی درج ہے اُس کا اعداد و شمار کے حساب سے جائزہ لینا ابھی باقی ہے۔ وقت اور مدت کے تخمینے کے لئے ہم نے ابھی تک جو پیمانہ استعمال کیا ہے وہ عیسوی کیلنڈر کا ہے لیکن اب ہم عیسوی سال کا ہجری سال کے ساتھ تقابلی جائزہ لیں گے۔ یاد رہے کہ ہجری سال آنحضورؐ کی وفات سے تقریباً 11 سال پہلے شروع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عیسوی سال بھی 4 سال قبل مسیح سے شروع کیا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے 1269 سال بعد حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ یہاں پر بعض حساب دان یہ سوچیں گے کہ 4 سال قبل مسیح کا مطلب تو 1273 سال بنتا ہے تو یاد رہے کہ 6 قبل مسیح، 4 قبل مسیح اور ایک قبل مسیح کا اختلاف پیدائش کے حوالے سے ہے نہ کہ عیسوی کیلنڈر کے حوالے سے۔ اس لیے ہم نے زیادہ مستند رائج الوقت 4 قبل مسیح کو لیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ 1250 ہجری میں پیدا ہوئے گویا مسیح محمدی کا مسیح ناصری کے ساتھ عددی موازنہ اپنے پیش رَو کی مناسبت سے 1250 اور 1269 کے فرق سے ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کی کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' (جلد دوم صفحہ 133) پر درج ہے۔ (ترجمہ): ''میرے رب جل جلالہ نے مجھے سکھایا ہے کہ قیامت قریب ہے اور مہدی کا خروج ہونے کو ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ظہور مہدی کی تاریخ لفظ ''چراغ دین'' سے 1268 نکالی ہے۔ (بحوالہ احمدیہ پاکٹ بک تیرھویں دلیل صفحہ نمبر 365)۔ جو کہ عددی لحاظ سے 1250 اور 1269 کی درمیانی اور قریب ترین تاریخ بنتی ہے اور پیشگوئیوں میں اعداد و شمار کے اتنے معمولی فرق کو کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔

اگر ان اعداد و شمار کو حضرت عیسیٰؑ کی تینوں مختلف تاریخوں میں Calculate کریں یعنی 6 قبل مسیح 4 قبل مسیح اور ایک قبل مسیح تب بھی ہمارا ROUND UP فگر 1250 ہی بنتا ہے۔

پس وہ روشن دلیل جو اس عظیم نبی کے لئے خدا کی طرف سے تھی اُس کے گواہ نے بھی اس میں سے حصہ پایا اور موسیٰؑ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے اُس کے آنے کا وقت بھی بتا دیا۔

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اَور ہی آیا ہوتا

اسلام پر صلیبی یلغار ...... اور
حضرت مسیح محمدی علیہ السلام (اور آپ کے غلاموں) کا کامیاب دفاع

(فضل الٰہی انوری)

اگر آج سے صرف ڈیڑھ سو سال قبل کی عالمی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو جہاں مسلمانوں کی مادی اور سیاسی قوت میں بتدریج انحطاط واقع ہونے کا پتہ لگتا ہے، وہاں اسلام دشمن طاقتوں کی اسلام دشمنی میں مسلسل ترقی سامنے آجاتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب اُس وقت کی سب سے بڑی اسلامی حکومت، دولت عثمانیہ، اپنی اندرونی سازشوں کی وجہ سے دم توڑ رہی تھی یعنی اس کے اندر ایسے کچے دھاگے پیدا ہو چکے تھے جو غداری کی سرشت رکھنے والے اور وقت پر ٹوٹنے والے تھے۔ دوسری طرف برصغیر پر سات سو سال سے قائم رہنے والی مغلیہ سلطنت برطانوی یلغار کے سامنے بے بس ہو کر اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔

مسلمان حکومتوں کے اسی انحطاط کا نتیجہ تھا کہ صلیبی عقائد کے علمبردار جن کی مذہبی سرگرمیاں اب تک اپنے علاقوں تک محدود تھیں، مسلمانوں کو لقمہ تر سمجھتے ہوئے آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے اور ہر قسم کے اوچھے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ان کے دین کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے منصوبے باندھنے لگ گئے۔ لیکن جماعت احمدیہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام پر جب بھی دنیا کے کسی کونے سے یلغار ہوئی تو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام اور آپؑ کے غلاموں کے سوا کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ جب امریکہ کا عیسائی مناد ڈاکٹر جان ہنری بیروز (Dr. John Henry Barrows) امریکہ سے ہندوستان پہنچا تھا کہ تا وہ برصغیر کے مسلمانوں کو عیسائیت کی گود میں لانے کے لئے زمین تیار کرے بلکہ اس نے یہاں تک اعلان کر دیا تھا کہ عیسائیت کے مصنوعی خدا کے پرستار عنقریب مسلمانوں کے مقامات مقدسہ میں داخل ہو کر ان پر قبضہ کر لیں گے۔

یہ شخص یعنی ڈاکٹر جان ہنری بیروز جس نے پہلی عالمی مذہبی پارلیمنٹ کے صدر کے طور پر اپنا تعارف کرایا، وہ 1897ء میں ہندوستان پہنچا اور وہاں عیسائی حکومتوں بالخصوص برطانوی حکومت کے مادی اور سیاسی تفوق کی آڑ لے کر اس نے پہلے تو یہ اعلان کیا کہ:

’’آسمانی بادشاہت پورے کرّہ ارض پر محیط ہوتی جارہی ہے۔ آج دنیا بھر میں اخلاقی اور فوجی طاقت علم و فضل، صنعت وحرفت اور تمام تر تجارات اُن اقوام کے ہاتھ میں ہے جو آسمانی ابوت اور انسانی اخوت کی مسیحی تعلیم پر ایمان رکھتے ہوئے یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرتی ہیں۔‘‘

پھر عیسائی حکومتوں کی مادی چکا چوند سے متأثر ہونے والے اسلامی ممالک کے یورپی تہذیب وتمدن کے اپنانے کے رجحان کو عیسوی عقائد کی برتری پر محمول کرتے ہوئے اس نے یہ نہایت اشتعال انگیز اعلان کیا کہ:

’’اب مَیں اسلامی ممالک میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں جس کے نتیجے میں صلیب کی چمکار ایک طرف لبنان پر جلوہ افروز ہے تو دوسری طرف کوہ فارس کی چوٹیاں اور باسفورس کا پانی اس کی ضیاء پاشیوں سے منور ہو رہا ہے۔ یہ صورت حال اُس آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ ہے کہ جب قاہرہ، دمشق اور طہران کے شہر خداوند یسوع مسیح کے خدام سے آباد نظر آئیں گے اور صلیب کی چمکار صحرائے عرب کو چیرتی ہوئی مکہ اور مدینہ تک پہنچ جائے گی۔ اُس وقت خداوند یسوع مسیح اپنے شاگردوں کے ساتھ مکہ کے شہر اور خاص طور پر کعبہ کے حرم میں داخل ہوگا اور بالآخر وہاں حق وصداقت کی منادی ہوگی۔‘‘

(Christianity, The World Religion by John Henry Barrows, D.D; 1896-97)

ڈاکٹر بیروز نے برصغیر میں اپنے دو سالہ عرصۂ قیام میں متعدد لیکچر دیئے جن سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ اپنی اس خطرناک مہم کو امریکہ سے ہی اپنے ساتھ لے کر چلا تھا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ وہ کوئی معمولی پادری نہیں تھا بلکہ دینیات کی سب سے بڑی ڈگری کا حامل یعنی Doctor of Divinity تھا۔ اسی طرح وہ دنیا کی سب سے پہلی مذہبی پارلیمنٹ (World's First Parliament of Religions) کا صدر تھا۔ گویا یوں سمجھئے کہ صلیبی طاقتیں اپنی اجتماعی قوت کے ساتھ اسلام کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کی غرض سے برصغیر میں پہنچ چکی تھیں۔ پھر وہ اسلام کا اس قدر دشمن تھا کہ امریکہ سے ہندوستان تک سفر کرتے ہوئے اسے سوائے اسلام کے اَور کوئی مذہب نظر نہ آیا جس کو وہ اپنی صلیبی ہوس گیری کا نشانہ بناتا۔ اور باوجود اس کے کہ خود ہندوستان کے اندر دو بڑے مذاہب یعنی ہندومت اور بدھ مت موجود تھے جن کے پیرو مسلمانوں سے کہیں بڑھ کر تھے اور ہیں، لیکن اس نے اپنے لیکچروں میں ان مذہبوں یا ان کے پیرووں کا نام تک نہیں لیا۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ صلیبی طاقتوں کے اس علمبردار کا واحد نشانہ اسلام تھا۔

ڈاکٹر بیروز نے اپنے لیکچروں کا آغاز 1897ء میں سرزمین ہند سے کیا۔ یہ بعینہٖ وہ وقت تھا جب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے وجود میں ظاہر ہونے والا کاسرِ صلیب آنحضرت ﷺ کے روحانی فرزند کی حیثیت سے دنیا میں توحید کے حق میں رونما ہونے والی ایک بہت بڑی تبدیلی کے واقع ہونے کے بارے میں یہ اعلان فرما رہا تھا کہ:

’’آخر توحید کی فتح ہے۔ غیر معبود ہلاک ہوں گے۔ اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے دعوے سے منقطع کئے جائیں گے۔ مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا بھی اب ضرور مرے گا...... نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا۔...... قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سارے حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا، نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔‘‘ (اشتہار 14 رجنوری 1897ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا خدائی وعدوں پر مبنی یہ اعلان کس قدر حقیقت افروز تھا اور اس کے مقابلے میں ڈاکٹر بیروز کے بیمار ذہن کی پیداوار وہ اعلان جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، کس قدر کھوکھلا اور صدا بہ صحرا ثابت ہوا، آئندہ آنے والے پچاس ساٹھ سالوں کے اندر ہی اس کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ اس کے جلد بعد ایک تو یہ ہوا کہ انگلستان کے چودہ نامور پادریوں نے "Has The Church Failed?" کہ ''کیا چرچ ناکام ہو چکا ہے؟'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے واقعات کی روشنی میں علاوہ دیگر باتوں کے لکھا کہ:

''یورپ اور امریکہ کے مردوں اور عورتوں کا ایک بڑا حصہ اب عیسائی نہیں رہا۔ اور شاید یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ ان کی اکثریت ایسی ہو چکی ہے کہ وہ اب چرچ پر ایمان نہیں رکھتی۔'' (کتاب مذکور۔صفحہ 125)

اسی طرح ہالینڈ کے مختلف شہروں کے پانچ اخبارات نے زیرِ عنوان ''اسلامی ہلال یورپ کے افق پر'' میں یورپ میں اسلام کے نفوذ اور عیسائیت سے بیزاری کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا کہ لکھا:

''یورپ کا نوجوان طبقہ عیسائیت سے بیزار ہو رہا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ کسی بھی دوسری چیز کو قبول کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام یورپ میں اتحاد کا علم لئے ہوئے ہے اور یہ نوجوان اُدھر مائل ہو رہے ہیں۔ اس بہاؤ کو روکنے کے لئے اور اس تبلیغ کے اثرات کو تھامنے کے لئے جس کا سب سے طاقتور انجن جماعت احمدیہ ہے، ہمیں ان کی راہ میں ایک مضبوط ستون گاڑنا ہوگا۔''

اسی عرصہ کے لگ بھگ انگلستان میں منعقد ہونے والی ایک عیسائی مشنری کانفرنس میں لارڈ بشپ آف گلوسسٹر نے بھی اسی قسم کے فکر کا اظہار کیا۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر حاصل ہونے والے تجربہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں ہماری مملکت کے اندر بلکہ خود جزائر برطانیہ میں ایک نئی قسم کا اسلام دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اس نئے اسلام نے ان فرسودہ تصورات اور عقائد کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکا ہے جن کی وجہ سے اسلام دنیا کی نظروں میں حقیر سمجھا جا رہا تھا۔...... افسوس تو یہ ہے کہ ہم میں سے بعض اس کی طرف مائل بھی ہو رہے ہیں۔''

تاہم برصغیر کے اندر ابھرنے والی صورتحال اس سے مختلف تھی۔ وہاں انگریز کی عملداری کے ساتھ ہی یورپ کے پادری دھڑا دھڑ ہندوستان پہنچنا شروع ہو گئے تھے اور مسیح کی صلیبی مَوت کا نقارہ بجا بجا کر اور اس کو گناہوں کی معافی کا واحد ذریعہ قرار دے کر اپنے مذہب کی برتری کا ڈھنڈھورا پیٹنے لگے تھے۔ عجیب تر یہ کہ ان عیسائی پادریوں کا بھی سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہی تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان حضرت مسیحؑ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے تھے جو موجودہ عیسائیت کا ہے یعنی یہ کہ آپؑ (حضرت مسیح) دو ہزار سال قبل آسمان پر چلے گئے تھے اور وہاں اب تک اپنے مادی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ چنانچہ عیسائی پادری مسلمانوں کے اسی (غلط) عقیدہ کو بنیاد بنا کر اہل اسلام پر اپنے دین کی برتری کا پرچار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مسیحیت کا بانی (یعنی حضرت مسیحؑ) اسلام کے بانی (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے نعوذ باللہ افضل ہے کیونکہ وہ (حضرت مسیحؑ) اب تک آسمان پر زندہ ہے جبکہ حضرت محمد رسول اللہؐ وفات پا چکے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہزاروں ہزار پڑھے لکھے مسلمان اسلام چھوڑ کر عیسائیت کی گود میں جا پڑے۔

اُس وقت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اِن پادریوں کے سامنے بند باندھا یعنی آپؑ نے انہیں ایک تو ان کی اپنی مذہبی کتب سے یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ وہ مسیح جس کی مزعومہ صلیبی مَوت کو وہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ قرار دے رہے ہیں، صلیب پر مرا ہی نہیں۔ دوسری طرف تاریخی دلائل کی روشنی میں یہ ہیجان آمیز اعلان فرمایا کہ جس مسیح کے آسمان پر زندہ ہونے کو تم پیغمبر اسلام ﷺ پر افضل ہونے کی دلیل قرار دے رہے ہو، وہ تو آج سے دو ہزار سال قبل فوت ہو کر کشمیر میں دفن ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ اگر اس کے باوجود تم عیسائیت کو اسلام کے مقابلے میں افضل سمجھتے ہو تو آؤ اور میرے ساتھ مباحثہ کر لو۔

اس اعلان کے نتیجہ میں 1893ء میں امرتسر کے مقام پر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام اور عیسائیوں کے مابین پندرہ دنوں تک ایک مناظرہ ہوتا رہا جس میں عیسائیوں نے ایسی منہ کی کھائی کہ وہ خود اپنے لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ تاہم اس مناظرہ کی تان حضرت اقدسؑ کے ایک ایسے اعلان پر ٹوٹی جس نے عیسائیوں کے مناظر یعنی عبداللہ آتھم کے چھکے چھڑا دئے۔ ہوا یوں کہ اس مناظرہ کے آخر پر حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اسلام سے مرتد ہونے والے اس پادری (عبداللہ آتھم) کے بارے میں جب یہ جلالی اعلان فرمایا کہ:

''آج رات جو مجھ پر کھلا، وہ یہ ہے کہ جبکہ مَیں نے بہت تضرّع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تُو اِس امر میں فیصلہ کر۔ اور ہم عاجز بندے ہیں، تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے، وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی 15 ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلّت پہنچے گی، بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے، اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔''

تو عیسائیوں کا یہ مناظر جو پورے پندرہ دن بڑے جوش و خروش کے ساتھ آپؑ کے مقابل پر اپنا زورِ خطابت دکھاتا رہا، اس پر عین مجلس مناظرہ میں لرزہ طاری ہو گیا، اس کی زبان باہر نکل آئی اور اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا کہ گھبرا کر اٹھا مگر اٹھتے ہی زمین پر گر پڑا۔ اور پھر دو آدمیوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے دوبارہ کرسی پر بٹھایا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر عیسائیوں پر کیا گزری ہوگی! اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

یہ پہلا اثر تھا جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی اس پیشگوئی کا عبداللہ آتھم پر ہوا۔ تاہم اس پیشگوئی کا جو مستقل اثر عیسائیوں کے اِس بیباک مناظر پر پڑا، وہ بھی عیسائیوں کے لئے ایک بہت بڑے سانحہ سے کم نہ تھا۔ واقعات بتاتے ہیں کہ وہ (عبداللہ آتھم) اس کے بعد پورے پندرہ ماہ تک نہایت اذیتناک صورت حال سے دوچار رہا۔ اس کا دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ چنانچہ وہ بڑبڑاتا اور پاگلوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ بھاگ کر جاتا رہا۔ دوسری طرف اِس دوران اس کی قلم اور زبان اسلام کے خلاف ہر قسم کی بدزبانی اور ہرزہ سرائی سے رُکی رہی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پہلے والا عبداللہ آتھم ہی نہیں۔ اس

کی یہی حالت خدا تعالیٰ کے نزدیک رجوع الی الحق کے مترادف سمجھی گئی جس کی خبر آسمان کے خدا نے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو بذریعہ الہام دے دی۔ غرض عبداللہ آتھم مَوت سے تو بچ رہا تاہم عیسائیوں پر کھل گیا کہ اسلام کے اس جری پہلوان (حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام) سے مقابلہ آسان نہیں۔

پھر جب لاہور کا لاٹ پادری، بشپ لیفرائے، 1900ء میں حضرت مسیح کی تمام انبیا، بشمول نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت اور معصومیت کا ڈھنڈھورا پیٹنے لگ گیا تھا تو اُس وقت بھی عام مسلمانوں کے علماء کی غیرت جوش میں نہ آئی۔ اور اُس وقت بھی اِس دشمنِ اسلام کو اگر کسی نے للکارا تو وہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور اسے ایسا دندان شکن جواب دیا کہ بشپ موصوف کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ چنانچہ آپؑ نے اسے منجملہ دیگر امور کے لکھا کہ:

اگر آپ واقعہ میں سنجیدہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ حق ظاہر ہو تو آپ مسلمانوں کے ساتھ اس موضوع پر پبلک مباحثہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں کہ یسوع مسیح اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، دونوں میں سے کونسا نبی علمی، اخلاقی عملی، ایمانی، عرفانی اور علم لدُنی کے اعتبار سے افضل اور برتر ہے۔ یعنی صرف ارتکاب معصیت سے محفوظ رہنا ہی موجب فضیلت نہ قرار دیا جائے بلکہ کسبِ خیر کے نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے کہ دونوں میں سے کس نبی میں کیا کیا نیکیاں پائی جاتی تھیں اور کون کونسے اخلاقی کمالات ان سے ظہور میں آئے۔ (خلاصہ)

آپ کے اس اشتہار کی مطبوعہ کاپیاں بشپ موصوف کے 25رمئی والے لیکچر کے دن بڑی کثرت سے لوگوں میں تقسیم کی گئیں۔ چونکہ اس نے مسلمانوں کو خاص طور پر دعوت دی تھی لہٰذا مسلمان بڑی کثرت سے اس کا یہ لیکچر سننے کے لئے آئے۔ اب وہ انتظار کرنے لگے کہ وہ (بشپ لفرائے) اس دعوت مقابلہ کا کیا جواب دیتا ہے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ اس نے اپنے تمام لیکچر کے دوران اس اشتہار میں اٹھائے گئے نکات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اور جب لیکچر کے اختتام پر مسلمانوں نے اسے اس پر تبصرہ کرنے کو کہا تو وہ کوئی جواب دئے بغیر صرف یہ کہہ کر پنڈال سے چلا گیا کہ ان نکات کا اسے پہلی بار علم ہوا ہے۔

اس کے بعد اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے بالکل چپ سادھ لی۔ اس پر مسلمانوں نے اسے خط پر خط لکھنے شروع کر دئے۔ مگر باوجود ان کے بار بار اکسانے اور غیرت دلانے کے اُس نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے مقابل پر آنے کی جرأت نہ کی۔ اس پر اردو اور انگریزی اخبارات نے بھی بشپ موصوف کو آڑے ہاتھوں لیا۔ چنانچہ ذیل میں الٰہ آباد سے نکلنے والے ایک انگریزی اخبار کی بشپ سے خط وکتابت اور اس کے جواب میں اس کے پیش کردہ عذر ہائے لنگ کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ اخبار مذکور نے پہلے تو اسے یہ لکھا کہ:

”جس کثرت سے یہ خطوط آ رہے ہیں، اس سے مسلمانوں کی مجوزہ مباحثہ سے بے انتہا دلچسپی اور خواہش کا پتہ لگتا ہے۔“

مگر بشپ موصوف بدستور خاموش رہا۔ پھر اخبار کے مزید غیرت دلانے پر اس نے شملہ سے 12رجون 1900ء کو اس مضمون کا ایک مراسلہ بھیجا کہ وہ (حضرت) مرزا صاحب کا یہ چیلنج اس لئے قبول نہیں کر سکتا کہ:

”مرزا صاحب اپنے آپ کو مسیح کہتے ہیں اور یہ وہ مقدّس نام ہے جس کی طرف ہم عیسائی اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ اور مرزا صاحب اس نام کو اپنے لئے استعمال کر کے اس نام کی ہتک اور ہماری دلآزاری کا موجب ہوئے ہیں۔ لہٰذا کیونکر ممکن ہے کہ مَیں ایسے شخص سے دوستانہ رنگ میں ملوں یا ان سے گفتگو کے لئے تیار ہو جاؤں؟“

اس عذر لنگ کا معقولیت سے بعید ہونا ظاہر و باہر تھا۔ چنانچہ اخبار مذکور نے بشپ موصوف کو جواباً لکھا کہ:

1۔ آپ نے اس بِنا پر (حضرت) مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ مباحثہ کرنے سے معذوری ظاہر کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُس نام سے پکارتے ہیں جسے عیسائی اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ تاہم یہ وجہ انجیلی تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتی ہے اپنے دشمن سے بھی پیار کرو۔

2۔ (حضرت) مرزا صاحب نے قطعاً اپنے آپ کو وہ مسیح قرار نہیں دیا جسے آپ اپنا ربّ یا خدا سمجھتے ہیں۔ وہ تو اپنے آپ کو ان کا مثیل کہتے ہیں اسی طرح جیسے یوحنا (یحيٰ) نبی نے کہا تھا کہ میں ایلیا نبی کا مثیل ہوں۔ اگر اس سے ایلیا نبی کی تحقیر نہیں ہوئی تو حضرت یسوع مسیح کی کیسے تحقیر ہو گئی؟

3۔ تمام مسلمان بشمول حضرت مرزا صاحب حضرت مسیحؑ کو ایک بزرگ اور سچا نبی سمجھتے ہیں۔ جبکہ کروڑ ہا لوگ دنیا میں ایسے بھی ہیں جو انہیں نبی تو کجا، ایک سچا انسان بھی نہیں سمجھتے۔ تو کیا یہ درست ہوگا کہ عیسائی ان سب سے نفرت کرنے لگ جائیں اور ان سے بات کرنا بھی گوارا نہ کریں؟ (خلاصہ)

یہ تبصرہ اخبار مذکور کے 12رجولائی کے پرچہ میں شائع ہوا۔ اس کے جواب میں بشپ موصوف نے صرف اتنا لکھا کہ:

”مَیں اس سے قبل جو جواب دے چکا ہوں، اس میں مزید کسی قسم کی ترمیم یا اضافہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔“

مگر باوجود اس کے کہ دو اُردو انگریزی اخبارات، ”دی انڈین ٹیلیگراف“ اور ”دی سپیکٹیٹر“ نے بشپ لفرائے کو نہایت غیرت دلانے والے الفاظ میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کا یہ نہایت معقولیت پر مبنی چیلنج قبول کرنے کیلئے کہا مگر بشپ موصوف ٹس سے مس نہ ہوا۔ تاہم اس تمام کارروائی کا ایک یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ بشپ لفرائے کو پھر کبھی پبلک میں آنے اور مسلمانوں کو یوں للکارنے کی جرأت نہ ہوئی۔

عیسوی یلغار کے مقابل پر یہ اسلام کی اتنی بڑی فتح تھی کہ اُس وقت اسلام کا درد رکھنے والے علماء اس کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ ذیل میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمۂ قرآن میں سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں عیسائیت کے اِس علمبردار کو نصیب ہونے والی اُس رسوائی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”اسی زمانہ میں پادری لفرائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اُٹھا کر ولایت سے چلا تھا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہوتے ہی اس نے بڑا تلاطم برپا کیا..... حضرت عیسیٰ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اُس کے خیال میں کارگر ہوا۔

تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو، دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں۔ اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ مَیں ہوں۔ پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اسے اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ اس ترکیب سے اس نے ہندستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔''

(دیباچہ ترجمۂ قرآن از مولوی اشرف علی تھانوی۔ صفحہ 30۔ مرتب و ناشر مولوی نور محمد قادری نقشبندی، مالک اصح المطابع و کارخانہ تجارات کتب آرام باغ۔ کراچی)

....

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی بروقت مداخلت سے یہ پادری لیفرائے والا معاملہ بھی یہیں ختم ہو گیا مگر اس کے چند سال بعد امریکہ کا ایک پادری جان الیگزنڈر ڈوئی نامی دینِ محمدی کو تمام دنیا سے مٹا دینے اور اسلام کی صف لپیٹنے کا ناپاک عزم لے کر اٹھا اور ''ایلیا ثانی'' ہونے کا دعویٰ کر کے لوگوں میں یہ مشہور کرنے لگا کہ خدا نے اسے یہ منادی کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ پچیس برس کے اندر اندر یسوع مسیح آسمان سے اتر آئے گا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ملک میں اتنی شہرت حاصل کر لی کہ آن کی آن میں ہزاروں لوگ اس کے مرید بن گئے۔ اپنی اسی شہرت کو دیکھتے ہوئے اس نے شمالی امریکہ کے شہر شکاگو کے قریب ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام زائن سٹی (Zion City) رکھ کر اعلان کیا کہ:

''میرا کام یہ ہے کہ مَیں مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب سے لوگوں کو جمع کروں اور مسیحیوں کو اس شہر اور دوسرے شہروں میں آباد کروں، یہانتک کہ وہ دن آجائے کہ مذہب محمدی دنیا سے مٹایا جائے۔''

پھر جوں جوں اس کی شہرت بڑھتی چلی گئی، اسلام سے اس کی عداوت اور نفرت بھی ترقی کرتی چلی گئی اور وہ زیادہ سے زیادہ شدید لفظوں میں اپنے بغض و عناد کا اظہار کرتا چلا گیا، یہانتک کہ اس نے اپنے اخبار ''لیوز آف ہیلنگ'' (Leaves of Healing) کے 19؍دسمبر 1903ء کے پرچہ میں لکھا:

''مَیں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلد آوے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جاوے۔ اے خدا! تو ایسا ہی کر۔ اے خدا! اسلام کو ہلاک کر دے۔''

اس کے ان اخبارات کے اوراق کسی نہ کسی طرح ہندوستان میں بھی پہنچ گئے۔ چنانچہ جب ان کا علم حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو ہوا، تو آپ کو بڑا دکھ پہنچا۔ آپ نے دیکھا کہ تثلیث کے پھیلانے اور اسلام کو نابود کرنے کا جس قسم کا جوش اس کے اندر پایا جاتا ہے، ایسا جوش ان صدہا کتب میں بھی نہیں جو یورپ اور ہندوستان کے پادریوں نے لکھیں۔ پھر سب سے زیادہ دکھ دینے والی بات یہ تھی کہ اس شخص نے حضرت سید النبیین، اصدق الصادقین اور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو کاذب اور مفتری کے خطابات دے کر آپ کی پاک اور مطہر ذات کو اپنی خباثت اور فحش کلمات کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جب اُس کی شوخی انتہا تک پہنچ گئی تو مَیں نے انگریزی میں ایک چٹھی اُس کی طرف روانہ کی اور مباہلہ کے لئے اُس سے درخواست کی تا خدا تعالیٰ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اُس کو سچے کی زندگی میں ہلاک کر دے۔

آپؑ نے اس جھوٹے مدعی نبوت کے نام اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ جس مسیح کے دوبارہ آنے کے بارے میں تم دنیا میں یہ اعلان کر رہے ہو کہ وہ اب جلد آسمان سے نازل ہونے والا ہے، وہ تو آج سے دو ہزار سال قبل فوت ہو کر سرینگر کشمیر، محلّہ خانیار میں دفن ہوا پڑا ہے۔ البتہ خدا نے اس کی آمد ثانی کو میرے وجود میں پورا کیا ہے۔ چنانچہ مَیں خدا کی طرف سے مسیح موعود بنا کر بھیجا گیا ہوں، تا کہ مَیں اسلام کی عظمت کو دنیا میں قائم کروں۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خدا نے میرے سپرد تو دین اسلام کی سربلندی کا کام کیا ہو اور تمہیں اُسے مٹانے کے لئے بھیجا ہو۔ پس اگر تُو اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے، تو تمہیں سارے مسلمانوں کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں، تم ایک جماعت کے لیڈر ہو اور میرے بھی یہاں بہت سے پیرو ہیں۔ پس اس بات کا فیصلہ کہ خدا کی طرف سے کون ہے، اس طرح ہو سکتا ہے کہ تُو میرے ساتھ مباہلہ کر لے، یعنی ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے، وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔

اس مضمون کی لکھی جانے والی دو چٹھیاں اُسے بھیجنے کے علاوہ آپ نے امریکہ کے بعض نامی اخباروں کو بھی اس کی نقول بھجوا دیں۔

چنانچہ آپ نے اپنی کتاب ''حقیقۃ الوحی'' میں کم از کم 32؍ایسے اخبارات کے نام درج فرمائے ہیں جنہوں نے مجمل یا مفصل طور پر آپ کی ڈوئی کو دی جانے والی دعوت مباہلہ کا ذکر کیا۔ نیز فرمایا ہے کہ یہ تو وہ اخبار ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ اس کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں اخباروں میں یہ ذکر ہوا ہوگا۔

اب امریکہ کے لوگ بھی اور اخبارات بھی اس انتظار میں تھے کہ دیکھتے ہیں، ڈوئی اس چیلنج کا کیا جواب دیتا ہے۔ مگر جب اس بات پر کچھ عرصہ گزر گیا اور ڈوئی کے اندر نہ اخباری تبصروں سے کوئی حرکت پیدا ہوئی، اور نہ اس نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی چٹھیوں کا کوئی جواب دیا تو آپ نے اپنا وہی مضمونِ مباہلہ بعض اہم اضافوں کے ساتھ امریکہ اور یورپ کے اخبارات میں دوبارہ ارسال فرمایا جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ:

''آج تک ڈوئی نے میری درخواستِ مباہلہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لئے مَیں آج کی تاریخ سے جو 23؍اگست 1903ء ہے، اسے پورے سات ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر وہ اِس مدت میں میرے مقابلہ پر آ گیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ اس مقابلہ کا کیا انجام ہوگا۔ مَیں عمر میں ستّر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے، پچاس برس کا جوان ہے۔ لیکن مَیں نے اپنی بڑی عمر کی کچھ پرواہ نہیں کی کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ خدا جو احکم الحاکمین ہے، وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔''

آپ کے اس خط کا بھی امریکہ کے اخبارات میں خوب خوب چرچا ہوا۔

ڈوئی نے جب دیکھا کہ اس کے لئے اب کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا اور اس کا یوں خاموش رہنا بھی اس کی ذلّت اور رسوائی کا موجب بن رہا ہے، تو چار و ناچار وہ کچھ نہ کچھ کہنے پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ پہلے تو اُس نے اپنے اخبار 26؍دسمبر 1903ء میں نہایت متکبرانہ اور حقارت آمیز لہجے میں یوں ہرزہ سرائی کی:

''لوگ مجھے بعض اوقات کہتے ہیں کہ تم فلاں بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ جواب! کیا تم خیال کرتے ہو کہ مَیں ان کیڑوں مکوڑوں کا جواب دوں گا کہ اگر اپنا پاؤں ان پر رکھوں، تو ایک دم میں انہیں کچل ڈالوں۔''

پھر 27؍دسمبر 1903ء کے پرچہ میں اس سے بھی زیادہ بیباکی اور شوخی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے تحریر کیا:

''ہندوستان میں ایک بیوقوف محمدی مسیح ہے جو مجھے بار بار لکھتا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر کشمیر میں ہے۔..... اور بہتان لگاتا ہے کہ مسیح ہندستان میں فوت ہوئے۔ حالانکہ خداوند مسیح تو بیت عنیاہ کے مقام پر آسمان پر اٹھائے گئے تھے، جہاں پر وہ اپنے سماوی جسم کے ساتھ موجود ہیں۔''

اس طرح ڈوئی نے اگرچہ مباہلہ کو اس کی اصل صورت میں تو قبول نہ کیا، مگر بالواسطہ طور پر وہ خدا کے مامور کے مقابل پر میدان مبارزت میں آ گیا۔ چنانچہ آسمان کے فرشتے اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کی پہلی تقریب تو یہ پیدا ہوئی کہ اخبار ''نیویارک ورلڈ'' نے اس کے باپ جان مرے ڈوئی کی اس کے ساتھ کی گئی وہ خط و کتابت شائع کر دی جس میں اُس نے اِسے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس پر ولدالحرام ہونے کا الزام لگایا تھا۔ ڈوئی اس کا دفاع نہ کر سکا۔ بلکہ اسے 25ر ستمبر 1904ء کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ وہ ڈوئی کا بیٹا نہیں ہے لہٰذا اس کے نام کے ساتھ آئندہ 'ڈوئی' کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ اس سے صورت حال مزید خراب ہو گئی اور لوگ اسے پہلے سے بھی زیادہ حقارت اور استہزاء کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

(بحوالہ رسالہ ''انڈی پنڈنٹ''، 19ر اپریل 1906ء)

ڈوئی کا اپنی ناجائز ولادت کے متعلق اتنا بیبا کانہ اعتراف نہ صرف اس کی اخلاقی مَوت ثابت ہوا، بلکہ وہ اپنی رہی عزت اور قدر و منزلت کو بھی اپنے متبعین کی نظروں میں کھو بیٹھا۔ مگر ابھی اس کی قسمت میں اس سے بھی زیادہ ذلّت اور رسوائی لکھی ہوئی تھی اور خدا کی قہری تقدیر کے نوشتے بڑی تیزی کے ساتھ اسے اس کے مقدر انجام کی طرف لاتے چلے جا رہے تھے۔ اس کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ اس نے اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کی غرض سے شہر زائن میں ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا۔ مگر یہی جلسہ اس کی مٹتی ہوئی شہرت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔ چنانچہ جو منظر اُس وقت دیکھنے میں آیا، اس کی تصویر کشی ایک سوانح نگار نے حسب ذیل الفاظ میں کی ہے:

''ڈوئی اپنا لباس فاخرہ زیب تن کر کے ہال میں داخل ہوا اور اپنی مخصوص شاہانہ نشست پر جا بیٹھا۔ تمام سامعین کی نظریں اُس کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس نے اپنا خطاب شروع کیا۔ اس روز وہ اپنی فصاحت کے عروج پر تھا۔ وعظ کے بعد 'عشائے ربانی' کی تقریب تھی۔ وہ بھی ختم ہوئی۔ اب ڈوئی کو صرف چند اختتامی الفاظ کہہ کر اس تقریب کو ختم کرنا تھا۔ وہ یہ الفاظ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک اس نے اپنا دایاں بازو زور سے جھٹکا، جیسے کوئی گندہ کیڑا اُس سے چمٹ گیا ہو۔ پھر وہ اپنے ہاتھ کو زور زور سے کرسی کے بازو پر مارنے لگا۔ لوگ اس کی یہ غیر معمولی حرکت دیکھ کر حیران سے ہو گئے۔ اِدھر ڈوئی کا رنگ اچانک زرد پڑنے لگا۔ وہ گرنے ہی والا تھا کہ اس کے دو مرید اسے سہارا دے کر گھسیٹتے ہوئے ہال سے باہر لے گئے''۔

اب ڈوئی خدا کی قہری تجلی کا نشانہ بن چکا تھا اور یہ قہری تجلی اس پر فالج کی صورت میں گری تھی۔ ابھی وہ اس سے جانبر نہ ہوا تھا کہ 19ر دسمبر 1905ء کو اس پر دوسری بار فالج کا حملہ ہوا جس کے نتیجے میں اس کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی۔ اس کی اس حالت کے پیش نظر ڈاکٹروں نے اسے کسی گرم علاقے میں جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ پہلے اسے میکسیکو لے جایا گیا مگر جب وہاں بھی اسے آرام نہ آیا تو اسے جزیرہ جمائیکا لے جایا گیا۔

اِدھر جونہی ڈوئی نے اپنے 'زائن سٹی' (Zion) سے باہر قدم رکھا، اس کی اندرون خانہ سیاہ کاریوں پر سے پردہ اٹھنے لگا۔ ایک تو وہ پرلے درجے کا شرابی نکلا حالانکہ وہ اپنے مریدوں کو شراب نوشی سے منع کرتا تھا اور اس کے شہر میں بسنے کے لئے ایک شرط شراب سے قطعی طور پر پرہیز بھی تھی۔ پھر اس کے کئی لڑکیوں سے ناجائز تعلقات ثابت ہوئے، جنہیں وہ بڑی بڑی رقمیں بطور معاوضہ دیا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں مالی حسابات میں بھی وہ کئی قسم کی بدعنوانیوں کا مرتکب پایا گیا اور لاکھوں کا غبن اس کے لین دین میں ثابت ہوا۔

ان جملہ انکشافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود اس کے اپنے مرید اس سے سخت بدظن اور متنفر ہو گئے۔ چنانچہ جن لوگوں کو وہ اپنے کاروبار کے انتظام و انصرام کے لئے بطور نائبین پیچھے چھوڑ گیا تھا، انہوں نے اسے ٹیلیگرام دیا کہ تمہاری قیادت ختم ہوتی ہے اور تمہاری جگہ والوا (ڈوئی کا ایک معتمد رفیق کار) کو مقرر کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اسے وارننگ دی گئی کہ اگر تو نے اس انتظام میں مداخلت کی تو تمہاری ساری اندرونی سیاہ کاریوں اور بدعنوانیوں کا پردہ چاک کر دیا جائے گا۔

ڈوئی کے دن اب گنے جا چکے تھے۔ اس کی بیوی اور اس کا لڑکا تو پہلے ہی اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ اب اس کے مرید بھی اس سے متنفر ہو گئے تھے۔ جو باقی رہ گئے تھے، وہ اس کے شہر 'صیحون' (Zion) سے باہر قدم رکھنے کے ساتھ ہی اس سے الگ ہو گئے۔ چنانچہ جب وہ کچھ عرصہ کے بعد اپنے ہی بسائے ہوئے شہر میں واپس لوٹا تو اس کے استقبال کے لئے کوئی بھی موجود نہ تھا۔ واپس پہنچ کر اب وہ کلیۃً چند ایک تنخواہ دار سیاہ فام ملازموں کے رحم و کرم پر تھا۔ چنانچہ اس حالت میں کئی ماہ تک مبتلا رہنے کے بعد بالآخر، جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اس کے بارہ میں پیشگوئی فرمائی تھی، وہ بڑی حسرت، دکھ اور نامرادی کے ساتھ 9ر مارچ 1907ء کو اس دنیا سے کُوچ کر گیا۔

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اگر ہمارے عمل اس قابل نہیں، ہماری عبادتیں سوز و گداز سے بھری ہوئی نہیں، ہم اللہ کی نظر میں مقبول نہیں تو لاکھ ہم ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾ کہتے رہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور دوسرے لوگ آ کر یہ مقام لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اس طرح قبول نہیں کرتا وہ تو یہی کہے گا کہ پہلے اپنی حالت درست کرو، اپنے اعمال درست کرو، انسانی حقوق ادا کرو، پھر میرے دین کے مددگار کہلا سکتے ہو۔''

(سالانہ اجتماع انصار اللہ یوکے 2005ء سے خطاب)